حقیقت صلوٰۃ

ڈاکٹر قمر زمان

یہ کتاب آپ کی خدمت میں تحفتاً پیش کی جا رہی ہے۔

☆☆☆

سلسلہ دعوت قرآنی کی شائع کردہ کتب اب انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔ جہاں پر آپ ان کتب پر تبصرے اور سوالات بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

http://www.aastana.com

نام کتاب: ..... حقیقت صلوٰۃ

مصنف: ..... ڈاکٹر قمر زمان

اشاعت سوم: ..... دسمبر 2005ء

تعداد: ..... پانچ سو

ٹائٹل ڈیزائن: ..... اے اے خان

PUBLISHED BY:

سلسلہ دعوت قرآنی

پوسٹ بکس نمبر 11037 لاہور۔ پاکستان

Phone # +92 331 4851184

سلسلہ دعوت قرآنی کے قارئیں کی خدمت میں گزارش ہے کہ کتابچہ حقیقت صلوۃ آج سے تقریباً دس سال پہلے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ موجودہ کتاب اسی کا تصحیح شدہ ایڈیشن ہے۔ جس میں صلوٰۃ کے حوالے سے تمام آیات قرآنی کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

انتساب

میں اس انتساب کو لکھتے وقت اپنے اندر خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات پاتا ہوں۔ اس لئے کہ آج جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اصلاً محمد قاسم نوری صاحب کی ہی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے ''حقیقت صلوۃ'' لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن چند درندہ صفت انسانوں نے انکی زبان بند کردی لیکن ان کی فکر کو روک نہ سکے۔ آج بہت سے لوگ ان کے کام کو آگے بڑھانے میں پیش پیش ہیں۔

میں اپنے دل کی گہرائیوں سے اس کتاب کو محمد قاسم نوری صاحب کے نام منسوب کرتا ہوں۔

اظہار تشکر

میں انتہائی ممنون ہوں اپنے ان تمام دوستوں کا جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں میری مدد کی۔ ان ناموں کی فہرست تو بہت لمبی ہے لیکن خاص طور پر محترم عدنان احمد خان کا مشکور ہوں جنہوں نے بڑی استقامت سے اس کتاب کے متن کی اصلاح کی اور مفید مشوروں سے نوازا جس کی وجہ سے یہ کتاب اور نکھر گئی۔

میں اپنے ان تمام دوستوں کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے پروف ریڈنگ کر کے اس کتاب میں غلطیوں کی نشاندہی کی۔ کتاب کی پروف ریڈنگ جملوں کی اصلاح اور مضامین کے لئے دلائل بھی میرے دوستوں ہی کے عطا کردہ ہیں۔ حتمی پروف ریڈنگ میں جناب اظہر جلیل رومی، محترم خالد بٹ، جناب طفیل ڈار، جناب محمد سرور اور ڈاکٹر محمد انیس نے میری بہت مدد کی۔ اس کے علاوہ لغات اور عربی الفاظ کے لئے جناب سعید چوہدری صاحب کی رہنمائی ہمیشہ میرے ساتھ رہی۔

میں ان سب اصحاب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے دین کو سمجھنے میں میری مدد فرمائی خاص طور پر میں اپنے مرحوم نانا جناب اصغر زمان اور مرحوم والدین کا جنہوں نے مجھے ابتدائی تعلیم مدرسہ رضویہ احمد رضا خاں صاحب کے تحت بریلی میں دلوائی اور محترم مصطفیٰ رضا خانصاحب کے ہاتھ پر ۲۲ رجب ۱۳۷۴ھ کو بیعت کروائی جس کی وجہ سے مجھے بچپن سے ہی رسالتماب سے محبت اور قرآن کے فہم کا شوق پیدا ہوا۔

میں ان تمام علماء کا بھی مشکور ہوں جن کی شفقت و محبت اور ڈانٹ ڈپٹ کی وجہ سے میرے قرآن فہمی کے جذبے کو جلا ملی، صحیح و غلط کی تمیز پیدا ہوئی۔ خاص طور پر میں اپنے مرحوم استاد شیخ الحدیث فاضل صاحب محدث کا انتہائی تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے مجھے اصول حدیث پڑھائی اور احادیث پر غور و خوض کرنے کے لئے مشکوۃ شروع کروائی جن کی وجہ سے آج میں احادیث سے متعلق کچھ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پاتا ہوں۔

میں ڈاکٹر اسرار احمد مفکر قرآن کا بھی انتہائی ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے مجھے قرآن فہمی کی عادت ڈالی ۔ عادت اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب وہ شخص ہیں جنکی کاوشوں سے مجھ جیسے بہت سے لوگ جو قرآن سے دور تھے قرآن کے قریب آ گئے اور صرف قرآن کے ہی ہو کر رہ گئے۔

محترم جاوید الغامدی صاحب کا نام بھی میرے محسنین میں شامل ہے جن کی صحبت نے مجھے ایک بنیادی بات سکھادی اور جسے میں نے ہمیشہ مدنظر رکھا کہ ''دین صرف اور صرف قرآن میں ہے''۔ اور سب سے آخر میں لیکن میری قرآن فہمی میں سب سے اہم شخصیت قاضی کفایت اللہ صاحب کی ہے جن کی روشن تعبیر نے مجھے فہم قرآن کی ایک نئی جہت سے روشناس کروایا۔

استاد سے اختلاف شاگرد کا بنیادی حق ہے مجھے ، بہت سی باتوں میں اپنے اساتذہ گرامی قدر سے اختلاف ہی سہی لیکن سب کے سب میرے لئے انتہائی محترم اور محسن شخصیات ہیں۔

ڈاکٹر قمر زمان

فہرست

حصہ اول

	صفحہ نمبر
۱۔ مقدمہ	10
۲۔ ابتدائیہ	14
۳۔ رسالہ اہل حدیث سے اقتباس	25
۴۔ حجۃ البالغہ	28
۵۔ انبیاء کی صلوٰۃ	35
۶۔ تحریف صلوٰۃ	44
۷۔ حقیقت صلوٰۃ	48
۸۔ سورۃ الجمعہ	51
۹۔ سورۃ الکوثر	57
۱۰۔ حقیقت وضو	59
۱۱۔ سجدہ	76
۱۲۔ قبلہ	80
۱۳۔ حقیقت درود	84
۱۴۔ مصلین	91
۱۵۔ مصلّٰی	97
۱۶۔ چھوٹا منہ بڑی بات	108

حصہ دوم

صفحہ نمبر

۱۔ ابتدائیہ	.....	111
۲۔ سورۃ البقرۃ	.....	112
۳۔ سورۃ النساء	.....	120
۴۔ سورۃ المائدہ	.....	134
۵۔ سورۃ الانعام	.....	138
۶۔ سورۃ الانفال	.....	141
۷۔ سورۃ التوبہ	.....	142
۸۔ سورۃ ھود	.....	148
۹۔ سورۃ الرعد	.....	151
۱۰۔ سورۃ بنی اسرائیل	.....	153
۱۱۔ سورۃ مریم	.....	159
۱۲۔ سورۃ طٰہٰ	.....	161
۱۳۔ سورۃ الانبیاء	.....	166
۱۴۔ سورۃ الحج	.....	167
۱۵۔ سورۃ النور	.....	172
۱۶۔ سورۃ النمل	.....	178

صفحہ نمبر

۱۷۔ سورۃ لقمان 180

۱۸۔ سورۃ الاحزاب 182

۱۹۔ سورۃ فاطر 183

۲۰۔ سورۃ شوریٰ 186

۲۱۔ سورۃ المجادلہ 188

۲۲۔ سورۃ المزمل 191

۲۳۔ سورۃ المدثر 198

۲۴۔ سورۃ البینہ 205

۲۵۔ لفظ صلوٰۃ بطور مرکب اضافی 207

۲۶۔ ص ل و سے بنے افعال 214

۲۷۔ الزکوٰۃ 220

۲۸۔ قرآن میں 'ص ل و' کے مادہ سے بننے
والے الفاظ کی فہرست 224

حقیقت صلوٰۃ

حصہ اول

WWW.AASTANA.COM

مقدمہ

اپنے گردو پیش پر نظر دوڑایئے ہر طرف مایوسی کا عالم نظر آئے گا، ظلم و استبداد میں جکڑے ہوئے لوگ فریاد کرتے ملیں گے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ یہ سب کچھ ان ممالک میں ہی زیادہ نظر آتا ہے جن کے لوگ اپنے آپ کو خالق کے چہیتے اور اس کی کتاب پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں اور خود کو مسلمان یا مسلم کہتے ہیں۔

مسلمان چاہتے تو یہ ہیں کہ تمام عالم کی قیادت کریں اور عالم انسانیت کو ذلت وخواری سے نجات دلائیں اور دعوی بھی یہی کرتے ہیں کہ اگر تمام عالم مسلمان ہو جائے تو ذلت و خواری سے بچا رہے گا لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا مسلمان خود باعزت زندگی گزار رہے ہیں؟ کیا وہ غیر مسلم اقوام کے دست نگر نہیں ہیں؟

اگر ہمارا دعویٰ خود ہمارے اپنے گھر میں سچا ثابت نہیں ہو رہا تو دوسرے لوگ جو باعزت اور خوشحال زندگی گزار رہے ہیں کیونکر ہماری بات مانیں گے۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہیں آج زندگی کی دوڑ میں ہم سے کہیں آگے جاچکے ہیں۔ اس لیے جو پہلے ہی آگے ہوں وہ پیچھے رہ جانے والوں کی کیونکر پیروی کریں گے۔ آگے جانے والے پیچھے والوں کو یا تو پیچھے ہی چھوڑ جاتے ہیں یا ان کے دل میں اگر رحم کا جذبہ ہو تو ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ پیچھے رہ جانے والے آگے جانے والوں کے قائد بنیں۔

یہ مسلمانوں کی خوش فہمی ہے کہ وہ کسی بھی وقت ان افکار و اعمال کے ساتھ جن پر وہ اس وقت عمل پیرا ہیں، ترقی یافتہ اقوام کے قائد بن سکیں گے۔ آخر کیونکر ترقی یافتہ اقوام اپنی عزت، شہرت، وقار و آسائش کو چھوڑ کر ذلت اور محکومی کی زندگی کو پسند کریں گے۔ آیئے آج اس کا کھلے ذہن سے تجزیہ کریں اور زندگی کا نصب العین متعین کریں۔ کیونکہ اگر زندگی کا نصب العین متعین نہ ہو یا اس کا شعور ہی نہ ہو تو آپ پستی کی زندگی سے ہی مصالحت کر لیتے ہیں اور اپنی زندگی پر کڑھتے رہتے ہیں یا دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں یا قسمت کا لکھا سمجھ کر برداشت کرتے رہتے ہیں۔

آج کے مسلمان کا نصب العین صرف نماز اور روزے تک محدود ہے۔ بہت ہوا تو وہ حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو مذہب کی معراج سمجھتا ہے اس لیے اگر صرف نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کا نام ہی اسلام ہے تو آپ ان عبادات کو کرتے رہیئے اور اس دنیا کو بھول کر صرف آخرت کو مقصود بنائے رکھیے اور اس دنیا میں جس انداز سے ذلیل ہو رہے ہیں اس ذلت و خواری سے لاتعلق جیسی تیسی زندگی گزار سکتے ہیں گزارتے رہیئے۔

لیکن کیا یہی قرآن کا مقصود ہے؟ کیا یہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعلیمات ہیں؟ دیکھئے اللہ پاک تو فرماتے ہیں.....

"اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ"

"تم ہی غالب رہو گے اگر کہ تم مومن ہو"

اللہ پاک ہمارا نصب العین اور ہمارے ایمان کی اساس ہماری عزت و غلبے سے مشروط فرما رہے ہیں۔ یعنی جو مغلوب ہے وہ مومن ہی نہیں ہے، پھر یہ ہمارا کیسا عقیدہ ہے جو قرآن سے ٹکرا رہا ہے۔ یقیناً ہم سے کہیں غلطی ہو گئی ہے ہم نے اپنا

نصب العین اور عقیدہ ہی غلط بنا رکھا ہے ہم نے غلبے کی بجائے مغلوب و محکوم رہنا پسند کرلیا ہے اور اسی لیے مسلمان ساری دنیا میں سب سے زیادہ ذلت و خواری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

آج عالم اسلام میں ہر طرف استحصال ہی استحصال نظر آتا ہے۔ مسلمان ہی مسلمان کو اپنے جبرو استبداد کے پنجوں میں جکڑ رہا ہے۔ ذرا غور کریں تو محسوس ہوگا کہ ہر شخص نے اپنے گرد ایک حصار قائم کر رکھا ہے جس کے اندر اس نے اپنی جاگیر بنا رکھی ہے، گھر کے اندر ہوں یا باہر ہر شخص اپنے سے نیچے والے کا استحصال کررہا ہے۔

کیا خالق کائنات نے ہم کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ہم اس کی ''عبادت'' کرتے رہیں اور بغیر کسی جھجک کے ایک دوسرے کے حقوق غصب کرتے رہیں۔ ایک دوسرے کو ذلیل کرتے رہیں۔ ایک دوسرے کا استحصال کرتے رہیں۔

دیکھئے قرآن کے نزول کا تو مقصد ہی اس استحصال کو ختم کرنا تھا۔ اس جبرو استبداد میں پسی انسانیت کو اس ظلم سے آزاد کرانا تھا۔ ہر انسان کو اس کے حقوق دلانا تھا اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قرآن نے اصول و احکامات دیئے تاکہ ان کے ذریعے وہ ایک ایسا فلاحی و مثالی معاشرہ قائم کر دکھائے جو اقوام عالم کے لیے نمونہ ثابت ہو۔ اگر ایک جملے میں اسلام کی تعریف اور قرآن کی تعلیم بیان کرنی ہو تو صرف یہی کہنا کافی ہوگا کہ.....

''اسلام کی تعریف اور قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کا استحصال نہ کرے''

اور اگر ہم مسلم اور مومن کے معنی ہی سمجھ لیں تو اسلام کا تصور صحیح ہو جائے گا۔

''مسلم وہ شخص ہے جو دوسروں کی سلامتی کا باعث ہوتا ہے اور مومن

وہ شخص ہے جو دوسروں کو امن مہیا کرتا ہے"

مسلم اور مومن دونوں الفاظ باب افعال سے ہیں اور اس باب کی خصوصیت اپنے مادہ کے معنی کو دوسروں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ مسلم اور مومن اسی باب سے اسم الفاعل ہیں۔ یعنی ایسا شخص جو سلامتی اور امن کو دوسروں تک پہنچائے۔

کاش ہم قرآن کو اس کے مقصد نزول کے تحت ہی سمجھ سکتے یا کم از کم مسلم اور مومن کے مفہوم کو اس کے حقیقی معنوں میں سمجھے ہوتے۔

ابتدائیہ

سلسلہ دعوت قرآنی کا مقصد نہ تو کوئی جماعت بنانا ہے اور نہ ہی کسی فرقے کی داغ بیل ڈالنا ہے تمام انسانیت ہماری جماعت ہے ہمارا کسی مذہب والے یا مسلک سے کوئی جھگڑا نہیں جو بھی سلامتی دینے میں یقین رکھتا ہے وہ مسلم ہے اور ہمارا ساتھی ہے اور جو بھی امن چاہتا ہے وہ مومن ہے اور ہمارا بھائی ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے......

"کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً"

"تمام انسانیت ایک ہے، تھی اور رہے گی"

"فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ"

"پس اللہ نے مبعوث کیا نبیوں کو بطور خوشخبری دینے والا اور پیش آگاہ کرنے والا"

"وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ"

"اور عطا کی ان کو ایک کتاب حق کے ساتھ تاکہ وہ فیصلہ کرے لوگوں کے درمیان ان معاملات میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔"

اس لیے تمام انسانیت ایک ہی تھی ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گی۔ یہ تو ہمارے آپس کے اختلافات ہیں جو ہم نے خود پیدا کئے ہیں اور جن کی وجہ سے ہم علیحدہ علیحدہ ہوگئے ہیں۔

ہر نبی نے انسانیت کو محبت پیار امن اور شانتی کا پیغام دیا ہے۔ کیونکہ ہم ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوگئے ہیں اور ہمارے ہاتھ میں قرآن ہے اس لیے ہم قرآن

لے کر اٹھے ہیں۔ اور تمام انسانیت کو امن اور بھائی چارہ کی دعوت دیتے ہیں لیکن جس انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے اگر امن، سلامتی، محبت اور بھائی چارہ کے خلاف نہیں ہے تو وہ الہامی ہی ہے کیونکہ الہامی تعلیم تو صرف امن سلامتی محبت اور بھائی چارہ پر مبنی ہوگی۔

دیکھئے قرآن کسی خاص فرقے مذہب یا طبقے کو مخاطب نہیں کرتا اور نہ ہی وہ کسی مسلمان کے مذہب کو تقویت دیتا ہے وہ تو پوری انسانیت کو مخاطب کرتا ہے اسی لئے سلسلہ دعوت قرآنی بھی کسی خاص فرقے یا طبقے یا مذہب کو مخاطب نہیں کر رہا۔ یہ سب سے پہلے خود اپنے گریبان مین جھانکنے کی دعوت دیتا ہے کہ دیکھئے قرآن آپ کو خود اپنی غلطیوں کا احساس دلانے کے لئے احکامات الٰہی کی طرف بلا رہا ہے۔ اس لیے یہی ہماری دعوت ہے یعنی محبت، امن اور سلامتی کی دعوت اور یہی ہمارا مشن ہے۔

کیونکہ قرآن نہ تو کسی مذہب کی دعوت دیتا ہے اور نہ ہی کسی مذہب کی تعلیم دیتا ہے اس لئے قرآن کے ذریعے ایک مذہب کا تصور دینا غلط ہے۔ قرآن ایک دین کی دعوت دیتا ہے قرآن ایک ضابطہ حیات کی تعلیم دیتا ہے قرآن زندگی گزارنے کے خدو خال پیش کرتا ہے اس لئے قرآن میں اگر ہم کو ملے گا تو صرف ضابطہ حیات ملے گا۔

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 62 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِـئِیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ o"

"بلاشک وشبہ وہ لوگ جو اہل امن و ایمان ہیں اور وہ لوگ جو یہودی ہیں یا

نصرانی یا کسی بھی مذہب کے ہیں جو بھی اللہ کے ساتھ اہل ایمان ہوا اور یوم الآخرۃ میں بھی اہل ایمان رہا اور جس نے اصلاحی عمل کئے انکے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے اور ان کو نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ ملال کرتے ہیں۔''

یعنی قرآن کا یہ مسئلہ ہی نہیں ہے کہ کوئی یہودی کیوں ہے یا کوئی عیسائی کیوں ہے یا یہ کہ کوئی کس مذہب پر عمل پیرا ہے۔ قرآن تو ہر مذہب والے کو صرف ایک ہی نصیحت کر رہا ہے کہ اگر کوئی شخص خالق کے احکامات کے ساتھ اہل ایمان ہو یعنی امن قائم کرنے والا ہو اور معاشرہ میں اصلاحی عمل کرے تو ایسے شخص کا اجر اس کے رب کے پاس محفوظ ہے اور وہ کسی بھی کیے پر افسوس نہیں کرتا اور نہ ہی آئندہ کا خوف اسے تنگ کرتا ہے۔

لیکن عجیب بات ہے کہ جب ہم قرآنی تراجم پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں ہمیں ایک خاص مذہب کے خدو خال نظر آتے ہیں اس لئے ایک متجسس اور محقق کے لئے یہ بات قبول کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ قرآن اگر ایک طرف کسی مذہب والے کو برا نہیں کہہ رہا بلکہ اس کے اصلاحی اعمال کو اچھی نظر سے دیکھ رہا ہے تو دوسری طرف وہ ایک خاص مذہبی رنگ میں ایک مذہب کی دعوت کیوں دے رہا ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہم تراجم قرآن میں جگہ جگہ نماز کے الفاظ دیکھتے ہیں جو ایک خاص مذہب کے تصور کو جنم دیتے ہیں۔

حالانکہ ہمارے اسلاف اور اکابر نے بڑے صاف الفاظ میں ''صلوٰۃ'' کو ایک اصلاحی معاشرہ سے تعبیر کیا ہے مزید یہ کہ تمام علماء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ نماز کی تفصیلات قرآن میں موجود نہیں جس کا واضح ثبوت ہمارے اسلاف و اکابر کے اقوال ہیں اور جس کا ایک ثبوت اہلحدیث کے ہفت روزہ کی اشاعت 19 تا 25 نومبر 1997ء میں چھپنے والے مضمون ''اقامت صلوٰۃ'' میں ملتا ہے۔ (جس کا متن

آگے صفحات میں پیش کیا جائے گا) دوسری بات کہ صلوٰۃ کا ترجمہ نماز ایک الجھن کا سبب بھی بنتا ہے کہ اللہ نے جس عمل کو دین کاایک ستون قرار دیا ہو اور اس کی تفصیل ہمیں قرآن سے نہیں بلکہ تواتر سے ملے اور جس کی جزویات کے لیے بخاری اور مسلم کی روایات کا محتاج ہونا پڑے۔ جبکہ ان روایات کا حال یہ ہو کہ کہنے والا خود مطمئن نہیں کہ اس میں کتنا جھوٹ ہے اور کتنا سچ جس کی وجہ سے ہر روایت کے بعد یہ کہنا لازم ہو "اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ" اگر ایسی بات نہیں تو جیسی رسالتماب نے کہی ہو۔ اللہ اللہ کیا شان بے نیازی ہے۔۔۔۔ وہ بات جس کے متعلق خود نہیں پتہ کہ صحیح ہے یا نہیں رسالتماب سے منسوب بھی کردی اور جھوٹ کی ذمہ داری سے بری الذمہ بھی ہوگئے کہ اگر ایسی بات نہیں تو پھر جیسی بھی رسالتماب نے کہی ہو۔۔۔۔۔۔ واہ واہ۔۔۔۔۔۔۔ شاباش کے لائق ہیں ایسے لوگ جو اتنا بڑا بوجھ اپنے سر پر لے رہے ہیں۔

دیکھئے حدیث سے متعلق ایک چھوٹی سی بات اگر سمجھ لیں تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ روایات میں مذکورہ باتیں اتنی شاذ شاذ تھیں کہ ہر دور میں لاکھوں کی بجائے زیادہ سے زیادہ تین اشخاص کو ہی معلوم تھیں بلکہ زیادہ تر احادیث کے راوی تو صرف ایک ہی تھے۔ اسی وجہ سے ان باتوں کو معلوم کرنے کے لئے بخاری اور مسلم کو لمبے لمبے سفر کرنے پڑے۔ یعنی یہ باتیں عام مسلمانوں کو معلوم تک نہ تھیں پوری مسلم دنیا میں اِکّا دُکّا ہی کسی شخص کے علم میں تھیں لیکن جب ہم نے اپنے مذہب کی بنیاد انہی اِکّا دُکّا باتوں پر رکھی اور ان باتوں کو چھوڑا جو عموم میں سب کو معلوم تھیں تو گڑبڑ شروع ہوئی۔ اگر ہم اپنے ماخذ یعنی قرآن کو ہی پکڑے رہتے تو کوئی مشکل نہ ہوتی۔

مسلم یا مسلمان ہونے کے باوجود ہم یہ اعلان کرتے ہوئے شرماتے اور گھبراتے

ہیں کہ ہم قرآن کے ساتھ کسی بھی شرک کو قبول کر ہی نہیں سکتے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ..... مسلمان اس الٰہی شریعت کو جو قرآن میں مکمل موجود ہے کسی نہ کسی فقہ، حدیث یا تصوف کو شریک کئے بغیر سمجھ ہی نہیں سکتا۔ مسلمانوں کے کسی فرقے کو دیکھ لیجئے اس کے پاس اپنی ایک الگ شریعت ہے جو کسی انسان یا کسی مکتبہ فکر سے متعلق ضرور ہے اور کسی ایک فرقے کے پاس بھی خالص قرآنی احکامات پر مبنی شریعت نہیں ملتی۔ اس شریعت سازی کے اشتراک کی وجہ سے احکامات الٰہی میں ہر طرح کے انسانی احکامات کا عمل دخل ہو گیا ہے۔ ہر فرقے نے اپنی پہچان کے لئے کسی نہ کسی نئے طریقے کو رواج دے دیا ہے اور اب لوگ ان اضافوں کو عبادت کا ایسا حصہ تصور کرتے ہیں جو کسی صورت بھی الگ نہیں کئے جاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ماہیت صلوٰۃ بھی افراط و تفریط کا شکار ہو گئی ہے اور ایک طرف تو تمام تر اضافوں کے ساتھ اس بات پر اصرار کیا جاتا ہے کہ عمل صلوٰۃ وہی ہے جو اس فرقے کے اسلاف اور اکابر نے ان کے لئے متعین کی ہے تو دوسری طرف ماہیت صلوٰۃ کا سرے سے وجود ہی مشکوک نظر آتا ہے۔

اسی لئے جب آپ کسی کو خالص قرآنی تعلیمات کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو فوراً آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ پھر ہم نماز کیسے پڑھیں گے، اس لئے کہ جس نماز کو ہم پڑھتے ہیں وہ تو قرآن میں نہیں ہے لیکن کسی کو بھی ایک لمحہ کے لئے یہ خیال نہیں آتا کہ وہ چیز جو قرآن میں موجود ہی نہیں تو کیوں کر ہم اس کو الٰہی حکم کا درجہ دیتے ہیں۔

اگر تو آپ کو قرآن کی دی ہوئی صلوٰۃ چاہئے تو آیئے قرآن سے پوچھتے ہیں کہ اس نے صلوٰۃ کے متعلق کیا احکامات دئے ہیں اور اگر آپ کو اسلاف اور اکابر کی دی ہوئی نماز پسند ہے تو نماز کو آپ جس انداز سے بھی پڑھئے وہ نماز ہی ہوگی لیکن وہ

قرآن کی دی ہوئی قرآنی صلوٰۃ نہیں ہوگی۔ آیئے دیکھتے ہیں قرآن صلوٰۃ کا کیا مقام متعین کرتا ہے۔

سورۃ البینہ کی آیت نمبر5 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذَالِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ"

"اور انہیں تو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبدیت اختیار کئے رکھیں دین کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے حنیف ہو کر اور صلوٰۃ کو قائم کریں اور زکوۃ کے فریضہ کو ادا کریں۔ اور یہی قیم دین ہے"

یعنی اس آیت میں دین قیم کو اللہ کی خالص بندگی سے مقید کیا گیا اور اس دین قیم کے دو ستون صلوٰۃ اور زکوۃ بتائے گئے۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ اللہ جن امور کو دین قیم فرما رہے ہوں تو کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن میں انہی امور کے متعلق خاموشی اختیار کریں؟ جبکہ سورۃ النحل کی آیت نمبر89 میں قرآن کے لئے ارشاد ہوا ہے کہ "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَئْيٍ" "قرآن میں (اپنے موضوع کے اعتبار سے) ہر ہر چیز کا بیان موجود ہے۔"

اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ جن اعمال کو دین قیم سے تعبیر کریں ان ہی کے متعلق احکامات سے صرف نظر کریں۔ کیونکہ ہمارے ذہنوں میں یہ کوٹ کوٹ کر بٹھا دیا گیا ہے کہ صلوٰۃ کے متعلق ہمیں قرآن میں کچھ نہیں ملتا اس لئے اتنی صاف صریح آیات کو ہم روز بغیر سوچے سمجھے پڑھ جاتے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ غور نہیں کرتے کہ جو عمل اللہ کے نزدیک دین قیم ہو تو کیونکر اللہ تبارک و تعالیٰ اس دین قیم کی تفصیلات و جزئیات کو نہ بتائیں گے۔ اور اگر قرآن اس دین قیم سے ہی خالی ہے تو پھر قرآن میں رہ کیا جاتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کا موضوع ہی دین قیم ہے اور قرآن میں اللہ پاک نے دین قیم کو ہی بمعہ تمام تفصیلات اور جزئیات بیان فرمایا ہے۔ لیکن جب ہم دین قیم کو مروجہ نماز اور زکوٰۃ تک محدود کرتے ہیں تو واقعی وہ ہم کو قرآن میں نہیں ملتی۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ اللہ نے جس صلوٰۃ کو دین قیم قرار دیا ہے وہ قرآن میں کس شکل میں بیان ہوئی ہے۔

قرآن میں لفظ صلوٰۃ کئی حوالوں سے استعمال ہوا ہے۔ صلوٰۃ کے اساسی حروف ''ص ل و'' ہیں اور ''الصلا'' جسم کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں جو جسم کے اگلے حصے کے ساتھ لگا رہتا ہے جس سے اس مادہ کے بنیادی معنی پیچھے پیچھے آنے کے اخذ کئے گئے۔ البتہ اس معنی کے علاوہ بھی چند اور معنی اخذ کئے گئے ہیں جو سیاق اور سباق سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

دوسری بات جو نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ کہ قرآن میں نماز کی اصطلاح موجود نہیں ہے۔ قرآن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس اصطلاح کو پسند فرمایا ہے وہ صلوٰۃ ہے جس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں نبی کی تمام تر زندگی سما جاتی ہے سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 37 میں سیدنا ابراہیم کی وہ دعا مذکور ہے جب وہ سیدنا اسماعیل کو ایک غیر زرعی وادی میں لے جاکر چھوڑ رہے تھے.....

''رَبَّنَا اِنِّی اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ''

''اے ہمارے رب میں نے ایک غیر زرعی وادی میں اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا تاکہ وہ صلوٰۃ قائم کریں''

اب سوچنے کی بات ہے کہ سیدنا ابراہیم نے اللہ کے دین کے لئے سیدنا اسماعیل کی اتنی بڑی قربانی دی تو کیا صرف نماز پڑھانے کے لیے دی تھی؟ یا اس صلوٰۃ کا

کوئی اور مفہوم ہے؟

اور اگر سیدنا اسماعیل کی قربانی واقعی صرف نماز پڑھانے کے لئے ہی تھی تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ نہ صرف سیدنا اسماعیل بلکہ ان کی اولاد جس میں رسالتماب بھی شامل تھے صرف نماز ہی پڑھتے اور پڑھاتے رہتے اور اس تمام جدوجہد کی ضرورت ہی کیا تھی جو رسالتماب نے اتنی مصیبتیں اٹھا کر کی اور ایک مثالی معاشرہ کو مدینہ میں قائم کر دکھایا۔ رسالتماب کو تو اپنی امت کو صرف نماز کے پڑھنے پڑھانے کی ہی تلقین کرنی چاہئے تھی باقی جدوجہد انہوں نے کس حکم کے تحت کی؟

یقیناً صلوٰۃ کے قیام کی جدوجہد اس تمام دین کی جدوجہد ہے جس کے لئے انبیاء کرام کو چنا جاتا ہے۔ اور تربیت کے بعد جب وہ اللہ کے پیمانہ پر پورے اترتے ہیں تو ان کو اللہ تبارک و تعالیٰ خود بذریعہ وحی احکامات عنایت فرماتے ہیں اور ان سے ان احکامات کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انبیاء کرام ان احکامات کو لیکر لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور جب ایک ایسی ریاست کا قیام عمل میں لاتے ہیں جیسے مدینہ میں رسالتماب نے ایک ریاست کو قائم کرکے دکھایا۔ یعنی احکامات الٰہی کے ابلاغ سے لیکر ان احکامات کے تحت ایک مثالی معاشرہ کے قیام تک کی تمام تر جدوجہد فریضہ صلوٰۃ کے تحت آتی ہے جس میں معیشت سب سے کٹھن مرحلہ ہوتا ہے اسی لئے سورۃ ھود کی آیت نمبر 87 میں قرآن نے وہ واقعہ بیان کیا ہے جب سیدنا شعیب سے ان کی قوم نے پوچھا کہ کیا تمہاری صلوٰۃ ہمیں اس بات سے روکتی ہے کہ ہم اپنی کمائی خود اپنی مرضی کے مطابق نہ خرچ کریں۔ شعیب کی قوم نے شعیب سے کہا.....

"قَالُوا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا"

''شعیب کیا تمہاری صلوٰۃ تم کو اس کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی فرمانبرداری ہمارے آباء کرتے چلے آئے ہیں اور یہ کہ ہم اپنے اموال میں سے اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں''

یعنی ان آیات میں صلوٰۃ سے مراد وہ نظام ہے جو احکامات و اقدار الٰہی کے تحت متشکل ہوتا ہے اور جس میں پابند کیا جاتا ہے کہ انسان اپنی معیشت کا نظام خود ساختہ پیمانوں کے تحت نہیں بنائے گا بلکہ اس کے اصول اقدار الٰہی کے تحت بنانے پڑیں گے۔

حیرت اس بات پر ہوتی ہے جب بعض علماء اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ دین قیم کے متعلق قرآن خاموش ہے اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ ہمارے مذہبی پیشواء قرآن کی کتنی خدمت کرتے ہیں حالانکہ دعویٰ تو قرآن کے خادم ہونے کا کرتے ہیں لیکن اعلانیہ کہتے ہیں کہ قرآن خود مکتفی نہیں بلکہ ان کتب روایات کا محتاج ہے جو تمام تر تضادات کا مرقع ہیں اور جن کی نسبت الی الرسول تک مشکوک ہے۔ اور جن پر انحصار کرکے آپ یہ تک متعین نہیں کرسکتے کہ نماز میں کھڑے ہونے کا اندازہ کیا ہو گا یعنی پاؤں پھیلا کر کھڑا ہوا جائے یا جوڑ کر۔ ہاتھ سینے پر باندھے جائیں یا ناف پر یا کھلے چھوڑے جائیں۔ آج کل کچھ علماء نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ یہ سب فروعی اختلافات ہیں تو جناب اگر آج یہ سب فروعی اختلافات ہیں تو اسلاف اور اکابر کی عقل کہاں چلی گئی تھی جنہوں نے اسی بنیاد پر نہ صرف الگ الگ فرقے بنائے بلکہ ان ہی فروعی اختلافات کی بنیاد پر الگ الگ مسجدیں تعمیر کیں اور الگ الگ ادارے قائم کئے جو آج بھی موجود ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے مذہبی پیشواء تو صرف اسی نماز سے واقف ہیں جو یقیناً قرآن میں موجود نہیں ہے حالانکہ قرآن کے تمام تر مباحث دین قیم کے انہی دو

ستونوں یعنی صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے گرد گھومتے ہیں اور قرآن میں ان دو ستونوں کے متعلق وہ سب کچھ موجود ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بہترین اور مناسب سمجھا۔ آیئے قرآن سے معلوم کرتے ہیں کہ اللہ کی دی ہوئی ہمہ جہت اور ہمہ وقت صلوٰۃ یعنی کل وقتی صلوٰۃ اور اس کل وقتی صلوٰۃ کے علامتی اظہار یعنی نماز میں فرق کیا ہے؟

اس سے پہلے کہ میں صلوٰۃ کے موضوع کو براہ راست لوں، چاہوں گا کہ چند ابتدائیہ کلمات آپ کے گوش گزار کروں۔۔۔صلوٰۃ کی بحث شروع ہونے سے پہلے ہی یہ سوال سامنے آئے گا کہ صلوٰۃ کو قرآن سے کیوں سمجھا جائے جبکہ مسلمانوں میں نماز کا عمل تواتر کے ذریعے جس کی تصدیق روایات سے ہوتی ہے صدیوں سے چلا آرہا ہے۔

دیکھئے اگر تو بات یہی ہوتی کہ نماز جو مسلمانوں کی ایک مسلمہ عبادت ہے، احادیث اور تواتر سے ملی ہے اور صلوٰۃ جو قرآن کی ایک جامع اصطلاح ہے نماز نہیں بلکہ اپنا الگ مفہوم و معنی رکھتی ہے تو بات بالکل صاف ہوتی کہ نماز اور اقامت صلوٰۃ دو الگ الگ عمل ہیں۔ جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب ہم قرآن کو کھولتے ہیں تو صلوٰۃ کا ترجمہ نماز اور اقامت صلوٰۃ کا ترجمہ ”نماز کا قیام“ بارہا ملتا ہے اس لئے یہ بات عجیب سی محسوس ہوتی ہے کہ ایک عمل کا حکم تو قرآن میں موجود ہو لیکن اس کی تفصیل نہ ہو جب کہ قرآن نے اپنے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ یہ ہدایات کے حوالے سے **”تِبيَاناً لِكُلِّ شَيْئٍ“** مفصل و مکمل ہے۔

اس لیے اب صرف دو ہی نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱) قرآن مفصل ہے اور اپنے مفاہیم کے لیے محتاجِ انسان نہیں۔

۲) قرآن مفصل نہیں اور اپنے مفاہیم کے لیے محتاجِ انسان ہے۔

ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے لیے جو قرآن کو محتاج نہیں سمجھتے دوسری بات قابل قبول نہیں اس لیے پہلی بات پر وہ اصرار کرتے ہیں لیکن جب صلوٰۃ کے حوالے سے ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ اگر قرآن مکمل ہے تو پھر قرآن میں نماز کا طریقہ دکھاؤ تو مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ نہ تو قرآن میں کسی جگہ طریقہ نماز بتایا گیا ہے اور نہ ہی اس کی جزویات کا تعین کیا گیا ہے۔ یعنی کہیں قرآن میں یہ نہیں بتایا گیا کہ نماز کس طرح شروع کی جائے گی۔ اس کے لیے اذان کا طریقہ اور الفاظ کیا ہوں گے۔ اس میں کیا عمل کئے جائیں گے۔ یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ نماز قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ پر مشتمل ہوگی۔ قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ میں کن آیات کی تلاوت کی جائے گی، کس طرح اختتام پذیر ہوگی اور کتنے اوقات میں ادا کی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے سب سے پہلے تو یہ متعین کرنا ہوگا کہ صلوٰۃ کا اصل معنی و مفہوم کیا ہے تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ صلوٰۃ سے جو کچھ بھی مراد لیا جا رہا ہے خواہ وہ نماز ہے، درس ہے، علامتی اظہار ہے یا نظام ہے آیا کہ وہ اس کے بنیادی معنی ہیں یا ماخوذ کئے گئے مفاہیم ہیں۔ اگر بنیادی معنی ہیں تو ہم اس سے ایک رتی برابر بھی نہیں ہٹ سکتے لیکن اگر تمام معنی ماخوذ ہیں تو یہ حق کسی کو نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے ماخوذ کردہ مفہوم کو دوسروں کے سر تھوپے۔ جس کسی نے بھی آیات کی تاویلات کرنا شروع کیں تو اس نے کبھی تو صلوٰۃ کو نظام سے تعبیر کیا تو کبھی دروس و اجتماعات سے اور کبھی دعا بنا کر نماز ہی قبول کرلی لیکن قرآن کی کسی آیت سے نہ تو اوقات ثابت کرسکے نہ رکعات کا تعین کرسکے اور نہ سجدوں کی تعداد پر متفق ہو سکے۔

آیئے کھلے ذہن سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور آیات سے کوئی مفہوم ماخوذ کرنے کی بجائے صلوٰۃ کو اپنے سیاق و سباق میں دیکھتے ہیں کہ قرآنی صلوٰۃ کیا ہے؟

رسالہ اہل حدیث سے اقتباس

اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھوں میں ایک مضمون کا حوالہ پیش کرنا انتہائی ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ مضمون ''اقامتِ صلوٰۃ'' کے زیرِ عنوان رسالہ اہل حدیث کی 19 تا 25 نومبر 1997ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

الصلوٰۃ دین اسلام کا ایک بنیادی گوشہ ہے اور قرآن جس قسم کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اسے وہ اقامت صلوٰۃ کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرنا چاہتا ہے۔

صلوٰۃ کے معنی اپنے مادہ (ص۔ل۔ و) کے اعتبار سے کسی کے پیچھے پیچھے چلتے جانا اور حرکت کرنا ہوتے ہیں۔ چنانچہ عربی کی مستند کتب لغت کی روشنی میں مفسرین نے قرآنی اصطلاح ''اقامت صلوٰۃ'' کا مفہوم قوانین الٰہیہ کے پیچھے پیچھے چلنا متعین کیا ہے۔دوسرے الفاظ میں یہ کہ وحی خداوندی کے عطا کردہ قوانین و احکام کی پابندی کرنا اور اس کے دیئے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا رہنا ''اقامت صلوٰۃ'' کہلاتا ہے اور قرآن کے نزدیک یہ اقامت یا قیام اجتماعی نظام کے تحت ہی ہوسکتا ہے وہ نظام جس میں افراد معاشرہ اپنے اپنے مفادات کے پیچھے بھاگنے کی بجائے، خدا کی کتاب قرآن حکیم کے قوانین کی پیروی کرتے ہوئے اس کے متعین کردہ نصب العین کی طرف بڑھتے جائیں۔ اسی وجہ سے اقامت صلوٰۃ کو ایک اجتماعی فریضہ قرار دیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا کہ الصلوٰۃ کا قیام جماعت مومنین کے''تمکن فی الارض'' یعنی ان کی آزاد مملکت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلوٰۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ

یہ وہ لوگ ہیں جب انہیں''تمکن فی الارض'' حاصل ہو یعنی ان کی اپنی مملکت قائم ہو جائے گی۔ تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیں گے۔ معروف احکام نافذ کریں گے اور منکر سے روکیں گے'' (سورۃ الحج آیت ۴۱)

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے لئے اپنی آزاد مملکت ہونے کی جو شرط رکھی گئی ہے اس کے لئے اس سے پورا ایک نظام مراد ہے۔نہ کہ صرف نماز پڑھ لینا اور مروجہ اڑھائی فیصد زکوٰۃ دے دینا۔ ظاہر ہے کہ یہ فرائض ہر حکومت میں ادا کئے جا سکتے ہیں۔ سورۃ الشوریٰ میں اسلامی مملکت کی وضاحت اس طرح فرمائی۔

وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّھِمْ وَاَقَامُوا الصَّلوٰۃَ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ o''

"مومنین وہ ہیں جو خدا کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اس کے احکام کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہیں اور اپنے معاملات کو باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں اور جو رزق خدا نے انہیں دیا ہے اس سے انفاق کرتے ہیں"
(سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۳۸)

یہاں اقامت صلوٰۃ کا امور مملکت کے لئے باہمی مشورے کے ساتھ ذکر آیا ہے یعنی الصلوٰۃ وہ نظام مملکت ہے جس میں تمام امور مملکت جماعت مومنین کے باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔

سورۃ الاعراف میں کہا گیا۔

وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالکِتٰبِ وَاَقَامُوْ االصَّلوٰۃَ

"یہ وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں اور اقامت صلوٰۃ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں"
(سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۷۰)

اس لیے کہ اسلامی نظام کتاب اللہ کے قوانین و اقدار کے عملی نفاذ کا نام ہے۔ اس مقصد کی مزید وضاحت کے لیے قرآن حکیم میں" صلّٰی" کے مقابلے "تولّٰی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (۳۰۔۳۱/۷۵) تولّٰی کے معنی ہیں صحیح راستے سے روگردانی کرنا، گریز کی راہیں نکالنا، منہ موڑنا اور صلّٰی کے معنی قوانین خداوندی کے مطابق صحیح راستے پر چلتے جانا۔

نظام خداوندی کے متعین کردہ فرائض منصبی کو ادا کرتے جانا اور ان فرائض منصبی کا دائرہ زندگی کے ہر گوشے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اب یہ بات تو عیاں ہوگئی کہ اگر صلوٰۃ کا ترجمہ اگر نماز کیا جائے تو وہ ماخوذ ہوگا لیکن کیا نماز کی ماہیت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اس کو ہم صلوٰۃ کا بدل قبول کریں؟ بلکہ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس حقیقت کے سامنے آنے کے بعد کہ تمام مستند لغات اور دیگر محققین کی نظر میں (ص ل و) سے بنے الفاظ کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے چلنے کے ہیں چناچہ قرآنی اصطلاح "الصلوٰۃ" کے معنی احکامات الٰہی کے پیچھے پیچھے چلنے کے ہوئے۔ اب سوال پیدا ہوگا کہ..... کیا صلوٰۃ کی جگہ اگر نماز کو ماخوذ کیا جائے تو اس کا اطلاق ممکن بھی ہے یا نہیں؟

اس کتاب میں صلوٰۃ کو جن عنوانات کے تحت زیرِ بحث لایا جائے گا ان میں سب سے پہلے تو ان آیات پر غور کیا جائے گا جن میں لفظ صلوٰۃ آیا ہے اور دلائل سے یہ ثابت کیا جائے گا کہ ان آیات میں صلوٰۃ کا ترجمہ نماز ناممکن ہے۔ پھر ایسے مقامات سامنے لائے جائیں گے جہاں سے "الصلوٰۃ" کی اصطلاح کی وضاحت

ہوگی۔ تیسری بحث انبیاء اور رسل کی صلوٰۃ پر مبنی ہوگی۔ پھر مومنین کی صلوٰۃ قرآن سے معلوم کی جائے گی اور اس کے برعکس منافقین اور کفار کی صلوٰۃ کا موازنہ پیش کیا جائے گا۔

حجۃ البالغہ

آیئے سب سے پہلے تو وہ مقامات دیکھیں جہاں قرآن صلوٰۃ کو ایک اجتمائی فریضہ قرار دیتا ہے اور احکامات پر مبنی ایک معاشرہ کی تشکیل کا خاکہ فراہم کرتا ہے اور جہاں سے نماز ماخوذ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے لئے چند آیات پیش خدمت ہیں۔

سب سے پہلے تو اسی آیت پر جس کا ذکر اہلحدیث کے رسالے کے مقالے میں ہو چکا ہے غور کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں.....

"اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِo"

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں تمکن عطا کریں تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوۃ کریں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں گے۔اور تمام امور کا انجام اللہ کے لئے ہے" (سورۃ الحج آیت نمبر 41)

دیکھئے اس آیت میں "اقامت الصلوٰۃ" کو تمکن فی الارض یعنی اقتدار سے مشروط کیا گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ اعلان ہے کہ مومنین صلوٰۃ کو قائم ہی اس وقت کرتے ہیں جب مومنین کو اقتدار حاصل ہو جاتا ہے لیکن ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ نماز اقتدار کے بغیر بھی پڑھی جاسکتی ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ نماز اللہ کی بیان کردہ صلوٰۃ ہرگز نہیں ہوسکتی جو کہ اقتدار سے مشروط ہے۔

اگر آپ ذرا سا غور کریں تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ صلوٰۃ اصلاً احکاماتِ الٰہی ہیں جو غیر مسلم حکومت میں قائم ہی نہیں کئے جاسکتے۔ دیکھئے آپ

امریکہ، برطانیہ، ہندوستان یا کسی بھی حکومت میں احکاماتِ الٰہی قائم نہیں کر سکتے، کیونکہ ان کے اپنے قوانین و احکامات ہیں جن کو وہ نافذ کرنا چاہیں گے۔ البتہ آپ کو اپنی مرضی کے مطابق نماز پڑھنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کریں گے۔ اس کی مثال ہمارے سامنے بالکل واضح ہے کہ آپ کو ایک نئے ملک پاکستان بنانے کی ضرورت ہی اس لئے پڑی تھی کہ آپ نے اس ملک میں ایک ایسا معاشرہ متشکل کرنا تھا جہاں احکاماتِ الٰہی کا نفاذ ممکن ہو سکے۔ یہ کام آپ اس وقت کی حکومت کے تحت نہیں کر سکتے تھے حالانکہ آپ اس وقت بھی اور آج بھی نماز پڑھ سکتے ہیں اور مسجدیں تعمیر کر سکتے ہیں بلکہ اب تو غیر مسلم ممالک کی حکومتیں آپ کو مساجد کی تعمیر میں معاون بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے اس آیت میں "صلوٰۃ" کا مفہوم نماز ماخوذ کرنا ممکن ہی نہیں بوجہ کہ صلوٰۃ کا قیام مملکت کے قیام سے مشروط ہے جبکہ نماز کا مملکت سے کوئی تعلق نہیں۔

آیئے ایک اور آیت آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، اہل کتاب سے متعلق ارشادِ ربانی ہے.....

"لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا"

"لیکن اہل کتاب میں علم پر دسترس رکھنے والے اور مومنین اس پر ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو تم سے پہلے نازل کیا گیا اور یہ لوگ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم یقیناً اجر عظیم عطا کریں گے"۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 162)

دیکھئے اس آیت سے چند وضاحتیں سامنے آئیں کہ.....

۱) اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو "العلم" یعنی وحی الٰہی پر دسترس رکھتے ہیں۔

۲) یہ لوگ مومنوں کی طرح اہل ایمان بھی ہیں۔

۳) یہ لوگ مومنوں کی طرح صلوٰۃ کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں۔

۴) اللہ اور آخرت پر یقین بھی رکھتے ہیں۔

اب سوال ہوگا کہ اہل کتاب میں سے وہ کون سے لوگ ہیں جو نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہم کو تو اہل کتاب سے کوئی لوگ بھی ایسے نہ ملے جو نماز پڑھتے ہوں لیکن قرآن کا دعویٰ کہ اہل کتاب صلوٰۃ کی اقامت کرتے ہیں ہمیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ وہ کون سی صلوٰۃ ہے جو اہل کتاب اور مومنین ایک ہی طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہماری نماز نہیں بلکہ اپنے الگ الگ طریقوں سے خدا کی "عبادت" کرتے ہیں۔ یعنی نہ صرف مسلمانوں سے جدا انداز سے عبادت کرتے ہیں بلکہ آپس میں بھی طریق جدا ہے۔ اور اگر رسالتماب کے زمانے میں اہل کتاب بھی اسی انداز سے نماز پڑھتے تھے تو مسلمانوں کا اہل کتاب سے تنازعہ نماز کی بنیاد پر نہ تھا۔

اس لئے سب سے پہلے تو یہ متعین کرنا ہوگا کہ وہ کون سی چیز ہے جس پر تمام تر اہل کتاب کے علماء اور مومنین یکساں طریق پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں۔ یہ یقیناً احکامات الٰہی ہیں جن کا علم اہل کتاب میں سے علم والوں کو تھا اور کیونکہ یہ ''العلم'' یعنی وحی الٰہی پر دسترس رکھتے تھے اس لئے اس پر قائم بھی رہتے تھے۔

ان دونوں آیاتِ مبارکہ سے جو ہمیں حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ.....

۱) صلوٰۃ تمکن فی الارض یعنی آزاد مملکت میں ہی قائم کی جاسکتی ہے جب کہ نماز کسی بھی مملکت میں پڑھی جاسکتی ہے۔

۲) صلوٰۃ وہ لوگ بھی قائم کرتے ہیں جو اہل کتاب کے اہل علم لوگ ہیں جبکہ نماز کو اہل کتاب میں سے کبھی کسی نے نہیں پڑھا۔

آیئے آپ کی خدمت میں سورۃ النساء کی آیت نمبر 43 پیش کرتے ہیں جہاں بغیر کسی دقیق تحقیق یا تفکر کے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ قرآن کی اصطلاح "صلوٰۃ" نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یَااَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا لاَ تَقْرَبُو الصَّلوٰۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰیٰ حتّٰی تَعْلَمُوا مَاتَقُوْلُوْنَ"

"اے ایمان والو! صلوٰۃ کے قریب نہ جانا جب کہ تم حالت سکاریٰ میں ہو یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو"

دیکھیئے اس آیت میں بہت صاف سیدھے الفاظ میں ایک حکم ہے کہ تم صلوٰۃ کے قریب سکاریٰ کی حالت میں نہ جانا یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس آیت میں لفظ "تقولون" آیا ہے جو عربی میں قیل و قال یعنی بول چال کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ نماز میں تو کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ نمازی یا تو تلاوت آیات کرتا ہے یا امام کی تلاوت کو سنتا ہے، پھر یہ کون سی نماز ہے جس میں بولنے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ دوسری بات نماز میں آیات کی تلاوت یا قرأت کی جاتی ہے جب کہ اس آیت میں نہ تو تلاوت کا لفظ اور نہ ہی قرأت کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اگر نماز میں قرآن کے پڑھنے کے لیے لفظ استعمال کیا گیا ہوتا تو تقرون یا تتلون کے الفاظ میں سے کوئی لفظ وارد ہوتا۔ جس کے معنی آیات کی تلاوت یا قرأت ہوتے اور اگر مقتدی کے لیے کہا جاتا تو لفظ "تسمعون" ہوتا جس کے معنی سننے کے ہوتے ہیں۔

یعنی اس آیت میں صلوٰۃ کے معنی نماز کسی صورت نہیں کیئے جاسکتے۔ بلکہ یوں کہنا

بہتر ہوگا کہ یہاں صلوٰۃ کسی بھی تاویل سے نماز نہیں بنائی جاسکتی۔ ورنہ نماز میں بولنے کی اجازت ہونی چاہئے تھی۔

دوسری بات سکٰرٰی کے معنی نشہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ نشے سے تو ویسے ہی اجتناب کا حکم ہے ایک شخص جو احکامات الٰہی کا پابند ہو کیونکر نشہ کرے گا۔ یقیناً یہاں سکٰرٰی کے معنی جہالت کا نشہ ہے اسی لئے کہا گیا کہ صلوٰۃ کے قریب اس وقت تک نہ جانا جب تک کہ تم جہالت کے نشہ میں ہو ہاں جب تم کو معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو تو صلوٰۃ میں شامل ہوسکتے ہو۔

اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 110 میں رسالتماب کو حکم وارد ہو رہا ہے کہ.....

"وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً"

"اور تم اپنی صلوٰۃ کو نہ تو اونچی کرو اور نہ اس کو خفیف کرو اور اس کے درمیانی راستے کو تلاش کرو"

دیکھ لیجئے رسالتماب کو حکم ہے کہ وہ اپنی صلوٰۃ کو نہ تو اونچا کریں اور نہ ہی خفیف کریں بلکہ درمیانی راستہ اختیار کریں۔

اب ذرا اپنی نمازوں کو دیکھ لیں۔ ہماری نماز یا تو اونچی پڑھی جاتی ہے (فجر، مغرب اور عشاء) اور یا بالکل خاموشی سے (ظہر اور عصر) یعنی اگر صلوٰۃ بمعنی نماز لی جائے تو یہ اللہ کے حکم سے سرکشی کی واضح ترین مثال ہے، دیکھ لیجئے کہ یہاں صلوٰۃ کا ترجمہ نماز ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ صلوٰۃ نہ تو جہری ہوگی اور نہ ہی سری جبکہ حکم الٰہی کے برخلاف نماز یا تو جہری ہوتی ہے یا سری۔

آیئے اب آپ کی خدمت میں سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر 45 پیش کرتے ہیں جس میں اعلان الٰہی ہے.....

"اِنَّ الصَّلوٰۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشآءِ وَالْمُنْکَرِ"

"یقیناً صلوٰۃ فحش اور منکر سے روکتی ہے"

دیکھئے اللہ تعالیٰ کا دعویٰ ہے کہ الصلوٰۃ فحش اور منکر سے روک دیتی ہے۔ یعنی جہاں بھی صلوٰۃ کا قیام ہو جائے گا وہاں لوگ فحش اور منکر سے رک جائیں گے۔ کیا نماز اس اعلان پر پوری اترتی ہے؟ کیا جہاں جہاں نماز پڑھی جا رہی ہے وہاں لوگ فحش اور منکر سے رک گئے ہیں؟ یقیناً نماز اس مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ہمارا سب کا مشاہدہ ہے کہ مسلمان ممالک میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے اور خاص طور پر وہ ممالک جہاں لوگوں کی اکثریت نمازی ہے وہاں بھی فحش اور منکر غائب نہیں ہوئے ہیں بلکہ اگر آپ ان مسلمان ممالک میں جہاں نماز زبردستی پڑھائی جاتی ہے دیکھیں تو وہاں سب سے زیادہ فحش اور منکر کا ارتکاب ہوتا ہوا پائیں گے اگر یقین نہیں تو عرب ممالک کے کسی بھی رہنے والے غیر عربی سے پوچھ لیجئے کہ کیا عرب ممالک میں ایک عربی مسلمان غیر عرب مسلمان نمازی کو ایک جانور سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا لیکن وہی مسلمان عربی غیر مسلموں کے آگے پیچھے کس طرح دم ہلاتے پھرتے ہیں۔

دیکھئے ایک طرف اللہ کا دعویٰ ہے کہ صلوٰۃ کے قیام سے انسان فحش اور منکر سے رک جاتا ہے اور ظاہر ہے اگر نماز یہ مقصد حاصل نہیں کرسکتی تو یقیناً صلوٰۃ نماز نہیں ہوسکتی۔ اصلاً صلوٰۃ وہ نظم ہے جو احکامات الٰہی کے تحت متشکل ہوتا ہے جس کے قیام کے بعد فحش اور منکر کی گنجائش کسی بھی مملکت میں ممکن نہیں۔

یہ سب مقامات وہ ہیں جہاں قرآن کے ترجمے میں نہ تو کوئی تبدیلی کی گئی اور نہ ہی کسی تاویل کا سہارہ لیا گیا، نہ ہی کسی خیالی عمل کو ذہن میں رکھا گیا اور نہ ہی قرآن کی آیات سے کوئی بات ماخوذ کی گئی ہے بلکہ آیات سے جو احکامات سامنے

آئے ہیں وہ پیش کئے گئے۔

آیئے اب تک کی بحث کا حاصل آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

۱) سورۃ الحج کی آیت نمبر 41 میں صلوٰۃ کا قیام حکومت کے قیام سے مشروط ہے اس لیے اس آیت میں صلوٰۃ نماز نہیں ہوسکتی کیونکہ نماز بغیر اپنی حکومت کے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

۲) سورۃ النساء کی آیت نمبر 162 کے مطابق اہل کتاب کے اہل علم حضرات صلوٰۃ قائم کرتے ہیں جبکہ نماز کسی اہل کتاب نے نہیں پڑھی اور نہ ہی آج پڑھتا ہے اس لیے اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد نماز نہیں ہوسکتی۔

۳) سورۃ النساء کی آیت نمبر 43 سے پتہ چلتا ہے کہ صلوٰۃ میں بول چال ہوتی ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نماز میں بولنا منع ہے اس لیے یہاں صلوٰۃ بمعنی نماز نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات نشہ کی اسلام میں اجازت نہیں اس لئے یہ کہنا کہ شراب کے نشے میں نماز نہ پڑھو عجیب بات ہوگی۔ اس لئے اس آیت میں بھی صلوٰۃ نماز نہیں ہوسکتی۔

۴) سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 110 سے معلوم ہوا کہ رسالتماب کی صلوٰۃ نہ تو جہری تھی اور نہ ہی سرّی بلکہ رسالتماب نے اس کے درمیان کا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس کے برعکس نماز یا تو جہری ہوتی ہے یا سرّی اس لیے اس آیت میں رسالتماب کی صلوٰۃ نماز نہیں ہوسکتی۔

۵) سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر 45 میں اعلان الٰہی ہے کہ صلوٰۃ فحش اور منکر کو روک دیتی ہے، جبکہ نماز اس مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے اس لیے اس آیت میں بھی صلوٰۃ نماز نہیں ہوسکتی۔

انبیاء کی صلوٰۃ

ویسے تو آپ کے سامنے بات بالکل واضح ہو چکی ہو گی کہ قرآن جس صلوٰۃ کی بات کر رہا ہے وہ کسی تاویل و توجیہ یا کسی ترجمہ کے اختلاف کے بغیر اور تمام مفسرین کے مؤقف کے مطابق ایک جامع اصطلاح ہے جس کا مقصود اقامت احکامات الٰہی ہے اور نماز اجماع امت اور تواتر امت کے ذریعے صدیوں سے مسلمانوں میں رائج عمل ہے۔ آپ صرف ان سب مقامات پر جہاں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے احکامات الٰہی کی اقامت رکھ لیجئے تو آپ کو یقیناً صلوٰۃ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی اور یقیناً صلوٰۃ بمعنی احکامات الٰہی ان سب کا متفقہ فیصلہ ہے جن کو علماء اسلام، مفسرین اور محققین کہتے ہیں اور جن کے حوالے سے اہلحدیث کے رسالے نے بھی اعتراف کیا ہے کہ عربی کی مستند کتب لغت کی روشنی میں مفسرین نے صلوٰۃ کو وحی الٰہی کے عطا کردہ قوانین الٰہیہ کے پیچھے پیچھے چلنا اور ان کی پابندی کرنا متعین کیا ہے۔ آیئے اہل حدیث کے مقالہ کی سند میں اب آپ کی خدمت میں سیدنا ابراہیم کے حوالے سے صلوٰۃ سے متعلق چند آیات پیش کرتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم کی صلوٰۃ

سورۃ ابراہیم میں وارد ہوا ہے۔

”رَبَّنَا اِنِّی اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیۡرِ ذِی زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِنَ

الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ"

"اے ہمارے رب میں نے اپنی ذریت کو تیرے محترم بیت کے نزدیک ایک غیر زرعی وادی میں لا آباد کیا۔ میرے رب تاکہ یہ صلوٰۃ قائم کریں پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل فرما اور انہیں ثمرات سے رزق عطا فرما تاکہ شکر ادا کریں"۔ (سورۃ ابراہیم آیت نمبر37)

دیکھئے اس آیت میں سیدنا ابراہیم صرف ایک ہی دعا مانگ رہے ہیں کہ ان کی ذریت "صلوٰۃ قائم کرے" یعنی انبیاء کا تمام تر مشن، جدو جہد حتیٰ کہ احکامات الٰہی کے خلاف جو لوگ کھڑے ہوتے ہیں ان سے جنگ، تک اس جامع اصطلاح میں مقید کردی گئی ہے لیکن اسی جامعیت کو ختم کرنے کیلئے آج لوگ صلوٰۃ کو نماز تک محدود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سیّدنا ابراہیم نے نہ صرف ذریت کے لیے بلکہ خود اپنے لیے بھی یہی دعا مانگی تھی ملاحظہ فرمایئے اسی سورۃ کی آیت نمبر40 جہاں سیّدنا ابراہیم کی دعا ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے۔

"رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ"

"اے میرے رب مجھے اور میری ذریت کو صلوٰۃ کا قائم کرنے والا بنائے رکھنا"

دیکھئے اس مقام پر سیّدنا ابراہیم نہ صرف اپنی ذریت کے لیے بلکہ اپنے لیے بھی صلوٰۃ کو قائم رکھنے والا بنے رہنے کی دعا فرما رہے ہیں۔ کیا کوئی ذی شعور اس بات کو مانے گا کہ سیّدنا ابراہیم کا اپنی ذریت سے اقامت صلوٰۃ کی توقع نماز پڑھنا تھا۔ یقیناً ان کی ذریت کا مشن صلوٰۃ کا قیام تھا، ان کا تمام تر مشن اللہ کی حاکمیت قائم کرنا تھا جس کیلئے رسالتماب سے بھی کہا گیا.....

"اتبعوا ملة ابراهيم حنيفاً"

"اے نبی تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو"

یعنی رسالتماب کی پوری زندگی ملت ابراہیم کی پیروی تھی اور یقیناً رسالتماب نے

جو کچھ بھی کیا ملت ابراہیم کے مطابق ہی کیا اسلئے سیّدنا ابراہیم نے بھی جب صلوٰۃ کے قیام کی بات کی تو ایک ملت کے قیام کی بات کی اور جب رسالتماب کو بھی کہا گیا کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو تو یقیناً ملت ابراہیمی یعنی دین ابراہیمی پر چلنے کا حکم دیا گیا۔

دیکھئے آیت نمبر 37 میں ایک لفظ آیا ہے "غَیۡرِ ذِی زَرۡعٍ" جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔"بے آب و گیاہ وادی میں" لیکن سوچنے کا مقام ہے کہ بے آب و گیاہ وادی میں جہاں نہ تو انسان آباد ہوں اور نہ ہی زراعت تو کس مقصد کے لیے ابراہیم نے اپنی ذریت کو لاکر آباد کیا اور کن لوگوں کے لئے کہا گیا کہ ان کے دل اُن کی طرف مائل فرما۔

دیکھئے انبیاء کا کام ہوتا ہے احکامات الٰہی کا قیام جس کے ذریعے ایک مثالی معاشرے کا قیام عمل میں آتا ہے اور جس کے ذریعے ایک امن و سلامتی والا معاشرہ متشکل ہوتا ہے اس لئے اس کے ثمرات سے لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یہی کام سیّدنا ابراہیم نے کیا تھا کہ اپنی ذریت کو ایسے لوگوں کی طرف آباد کیا جو احکامات الٰہی کے لحاظ سے بنجر تھی۔ اور جہاں وحی الٰہی کے قیام کے لئے جدوجہد کرنی تھی جس کے ذریعے ایک خوشحال معاشرے کا قیام عمل میں آنا تھا۔ اور یہی حکم مومنوں کے لیے آیت نمبر 31 میں رسالتماب کی زبانی دلوایا گیا۔ ملاحظہ فرمایئے.....

"قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ"

"کہو میرے ان بندوں سے جو ایمان والے ہیں کہ صلوٰۃ قائم کریں اور ڈھکے چھپے یا اعلانیہ انفاق کریں اس میں سے جو ہم نے انہیں رزق عطا کیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے کہ جس میں نہ کوئی لین دین ہوگا اور نہ ہی کوئی دوست"

ظاہر ہے اس آیت میں بھی سیدنا ابراہیم کی طرح رسالتماب کو حکم ہے کہ وہ مومنوں سے مطالبہ کریں کہ وہ احکامات الٰہی کے تحت ایک نظم میں جڑے رہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں رزق عطا کیا ہے اس میں سے لوگوں کے لئے رزق کے دروازے کھلے رکھیں۔

سیّدنا شعیب کی صلوٰۃ

سیدنا شعیب کے حوالے سے اسی رسالہ اہلحدیث کا ایک بار پھر حوالہ جوں کا توں پیش خدمت ہے۔ ''صلّٰی کے معنی قوانین الٰہی کے مطابق صحیح راستے پر چلتے جانا، نظام خداوندی کے متعین کردہ فرائض منصبی کو ادا کرتے جانا ہے۔ اور ان فرائض منصبی کا دائرہ زندگی کے ہر گوشے کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس دائرے کی وسعت ہمیں سیدنا شعیب کے ذکر جلیل میں روشن تر نظر آتی ہے۔ دیکھئے سورۃ ھود میں کس ابدی حقیقت کا بیان ہوا ہے۔ جب سیدنا شعیب نے اپنی قوم کے سامنے دعوت صلوٰۃ کو پیش کیا تو حسب معمول ان کی اس دعوت کو قوم نے رد کیا اور مخالفت پر اتر آئی۔ سیدنا شعیب نے ان افراد قوم سے جو کچھ فرمایا اسکے جواب میں وہ بول اٹھے.....

''اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِی اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ''

''اے شعیب یہ تمہاری صلوٰۃ کس قسم کی ہے جو یہ کہتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آرہے ہیں اور یہ کہ ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق صرف نہ کریں'' (سورۃ ھود آیت نمبر87)

دیکھئے اس آیت میں دو مطالبے ہیں۔

۱) پرستش بند

۲) معیشت کا دارومدار صلوٰۃ کے تحت۔

کیا نماز صلوٰۃ کا نعم البدل ہے.....؟ اور کیا ہم صلوٰۃ کو نماز بنانے والوں سے پوچھنے میں حق بجانب نہیں ہیں کہ ہماری نماز معیشت کے کس پہلو کو زیر بحث لاتی ہے؟ اور نماز معیشت سے متعلق آپ کو کون سا حکم دیتی ہے جس کے ذریعے آپ اپنی معیشت کے اصول مرتب کریں گے؟

سیدنا موسیٰ کی صلوٰۃ

سیدنا موسیٰ کو جب اللہ پاک نے اپنے مشن کے لیے چنا اور اپنی پہلی وحی سے سرفراز فرمایا تو سب سے پہلے صرف ایک ہی حکم عطا کیا۔

"اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ"

''میرے ذکر کے لیے صلوٰۃ قائم کرو'' (سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 14)

یہاں پر اگر صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کیا جائے تو بات یوں ہوگی کہ.....

''نماز کو اللہ کی یاددھانی کے لیے قائم کرو''

آیئے اب ان دونوں پہلوؤں پر مزید تدبر کرتے ہیں۔

دیکھئے اگر تو اس مقام پر صلوٰۃ کا معنی نماز کیا جائے تو یہ بات طے ہوگئی کہ سیّدنا موسیٰ نے سب سے پہلے جو کام کیا تھا وہ نماز کے قیام کا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب سیّدنا موسیٰ نے اپنی قوم کو فرعون کے جبر و استبداد سے چھڑوالیا تو موسیٰ کی قوم نے جب ایک دوسری قوم کو اصنام کی پرستش میں دھرنا مار کر بیٹھے دیکھا تو موسیٰ سے کہا کہ ان کے لیے بھی ایک الٰہ بنایا جائے تاکہ وہ بھی اسکے لیے پرستش کریں۔

موسیٰ کی قوم نے ان سے کہا.....

"قَالُوۡا یٰمُوۡسَی اجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰہًا کَمَا لَہُمۡ اٰلِہَۃٌ"

''انہوں نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ویسا ہی الٰہ بنادو جیسے ان کے لیے آلہہ

ہیں" (سورۃ الاعراف آیت نمبر138)

غور فرمایئے کہ اگر تو ان کو نماز مل چکی تھی تو یہ مطالبہ کہ ان کو بھی ایک ایسا الٰہ چاہیئے تھا جسکی پرستش کی جائے اور جس کے سامنے وہ دھرنا مار کر بیٹھیں بڑی عجیب سی بات لگتی ہے۔ نہ صرف یہ مطالبہ عجیب ہے بلکہ سیدنا موسیٰ کا جواب بھی مطالبے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ سیدنا موسیٰ نے اس مطالبہ پر یہ کہنے کی بجائے کہ تمہارے پاس ایک الٰہ تو ہے جس کے لئے تم نماز میں دھرنا مار کر بیٹھتے ہو، انہوں نے فرمایا.....

"قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ"

"کہا کہ تم جاہل لوگ ہو"

مذکورہ بالا واقعہ کی روشنی میں سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر14 میں جس صلوٰۃ کے قائم کرنے کا حکم ہے اگر صلوٰۃ بمعنی نماز لی جائے تو قوم کو کوئی الٰہ مانگنے کی ضرورت ہی نہ تھی جس کے لئے دھرنا مار کے بیٹھا جائے۔ اور نہ ہی موسیٰ کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ تم جاہل قوم ہو بلکہ جواب یہ ہوتا کہ تمہارے پاس نماز بطور طریقہ عبادت پہلے ہی موجود ہے۔

اور اگر پہلی وحی الٰہی میں صلوٰۃ بمعنی نماز نہیں ہے جس کی وجہ سے قوم نے بعد کو ایک ایسے الٰہ کا مطالبہ کیا جس کی پرستش کی جاتی ہے تو بھی نتیجہ وہی رہا کہ سیدنا موسیٰ نے حکم الٰہی "اقم الصلوٰۃ" کے تحت نماز نہیں بلکہ وحی الٰہی کا قیام مراد لیا تھا اور کسی ایسے الٰہ کی عبادت کو جس کے لیے دھرنا مارا جائے، جہالت قرار دیا تھا تو پھر صلوٰۃ کو ہم کس طرح نماز قرار دے سکتے ہیں؟

اور جیسا کہ رسالہ اہلحدیث سے بھی بات واضح ہے کہ صلوٰۃ کی جامع اصطلاح انبیاء کے تمام ترمشن پر محیط ہے۔ انبیاء کا وحی کے ادراک سے لیکر ایک منظم مملکت

کے قیام تک جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہو، اصلاً صلوٰۃ کی جامع اصطلاح کے تحت آتا ہے۔

رسالتماب محمد رسول اللہ کی صلوٰۃ

آپ جس آیت پر بھی غور کریں گے اور سیاق و سباق کے لحاظ سے ربط قائم کرتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کریں گے تو یقیناً اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ قرآن میں اقامت صلوٰۃ کی اصطلاح احکامات الٰہی کے ذریعے ایک معاشرہ اور نظام متشکل کرنے کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً سورۃ انعام کی آیات 71 اور 72 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ"

"کہہ دو کہ یقیناً اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور ہمیں تو حکم ہوا ہے کہ ہم تمام عالم کے ربّ کے لیے سرنگوں ہو جائیں اور یہ کہ صلوٰۃ قائم کریں اور اسی کا تقویٰ اختیار کریں"

دیکھئے ان آیات میں رسالتماب کی وساطت سے چند احکامات دیئے جا رہے ہیں۔

۱) پہلا حکم تو یہ ہے کہ تم اعلان کرو کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے یعنی وحی الٰہی کے باہر اصل ہدایت نہیں ہے۔

۲) دوسرا حکم کہ رب العالمین کے لیے سرنگوں ہو جائیں یعنی ربوبیت عالمینی کے لیے احکامات الٰہی کے علاوہ کسی کے حکم کی پیروی نہیں ہوگی۔

۳) تیسرا حکم کہ اقامت صلوٰۃ کرو۔

۴) اور چوتھا حکم اسی کا تقوی ختیار کرو۔

ملاحظہ فرمایئے کہ پہلا حکم تو احکامات الٰہی کو ہی اصل ہدایت جاننے کا اعتراف ہے، دوسرا حکم احکامات الٰہی کے لیے آمادہ اور سرنگوں ہونے کا اعتراف ہے۔ اب تیسرا حکم جو یقیناً اگلے مرحلے یعنی نفاذ احکامات الٰہی کا حکم ہے اگر نماز پڑھنے پر ختم ہو جائے تو نفاذ احکامات الٰہی کا حکم کہاں ہوگا؟ منطقی نتیجہ تو یہی ہونا چاہیے کہ جن ہدایات کا پہلے مرحلے میں اعتراف کیا گیا اور اگلے مرحلے میں جن کے آگے سرنگوں ہوئے تو تیسرا مرحلہ یقیناً ان پر عمل پیرا ہونے کا مرحلہ ہونا چاہئے۔ اور چوتھا مرحلہ تقویٰ یعنی ان احکامات الٰہی کی نافرمانی سے بچنے کا حکم ہے۔ تقویٰ کے معنی اللہ سے ڈرنا نہیں ہیں۔ تقویٰ کے بنیادی حروف ''و ق ی'' ہیں جس کے معنی کسی بھی برے انجام سے بچنے کے ہوتے ہیں۔ جب یہ کہا جائے "اِتَّقُوْا اللّٰہ" تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ سے ڈرو بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے اقدار و احکامات کے خلاف جانے کے نتیجہ میں جو برے نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں ان سے بچو۔ یعنی اللہ نے جو برے اعمال کے برے نتائج کے اصول بنائے ہیں انکی پکڑ سے بچو۔ لیکن ہم نے تقویٰ کے معنی پرہیز گاری کی بجائے ڈرنا کر کے قرآن کو صرف ڈرنے ڈرانے کی کتاب بنادیا ہے۔ حالانکہ تقویٰ کے معنی ہیں برے انجام سے بچنا۔

دیکھ لیجئے کہ رسالتماب کا تمام تر عمل اقامت صلوٰۃ میں محدود کر دیا گیا۔ احکامات الٰہی کو ہی ہدایت سمجھنے اور ان کے آگے سرنگوں ہونے کے اقرار کے بعد جو اقامت کا حکم ہے وہ بلاشک و شبہ الٰہی احکامات کی اقامت سے متعلق ہی ہے نہ کہ نماز پڑھنے سے متعلق، یہ حکم بالکل اسی طرح ہے جس طرح سیّدنا ابراہیم کے تمام تر مشن کو مذکورہ آیت نمبر 37 میں اقامت صلوٰۃ میں محدود کر دیا ہے۔ سورۃ الروم کی آیت نمبر 32-30 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ

لَاتَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَايَعۡلَمُوۡنَ o مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَاتَّقُوۡهُ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ o مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ o "

''پس اپنی توجہات کو دین کے لیے یکسوئی سے لگا دو اور اللہ کے قوانین فطرت کو جس پر انسان کو تخلیق کیا قائم کرو۔ اللہ کا قانون فطرت غیر متبدل ہے۔ یہی قیم دین ہے لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ اس کی طرف پوری آمادگی کے ساتھ لگے رہو، اس کی پکڑ سے بچو، صلوٰۃ کو قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو فرقہ فرقہ کر دیا اور جماعتوں میں بٹ گئے اور ہر جماعت اس پر جو اس کے پاس ہے خوش ہے''۔

ان آیات میں ایسی کوئی بات نہیں جس کیلئے بہت عقل و خرد کی ضرورت ہو۔ صاف سیدھا سا حکم ہے کہ اللہ نے انسان کو جس قانون کے مطابق تخلیق کیا وہ ہی اللہ کا دین ہے۔ انسان کی فطرت میں اللہ نے تمام تر صلاحیتیں رکھ دی ہیں اللہ اپنے قانون فطرت کو نہیں بدلتا لیکن اکثر لوگ اس سے لاعلم رہتے ہیں۔ اللہ کے قوانین فطرت کی طرف آمادگی کے ساتھ اگر انہی کو قائم کیا جائے تو دین قیّم تک پہنچا جاسکتا ہے مزید یہ کہ اللہ کا یہ حکم کہ صلوٰۃ کو قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا صاف بتا رہا ہے کہ صلوٰۃ وہ الٰہی احکامات ہیں جن میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور انہی احکامات میں جب انسان شرک کرتا ہے تو فرقے فرقے ہو جاتا ہے پھر کوئی انتہا نہیں رہتی۔ ہر آنے والی نسل پہلی سے اور ہر نیا عالم پہلے سے کچھ نہ کچھ فرق کر کے اصل احکامات سے ہٹتا چلا جاتا ہے لیکن بہت مسرور رہتا ہے کہ وہ جس راہ پر ہے وہی صحیح ہے۔

تحریف صلوٰۃ

ابتدائی صفحات میں اہلحدیث کے رسالے کا حوالہ پیش کیا گیا جس میں مفسرین اور محققین کے حوالوں سے یہ بات ثابت کی گئی کہ قرآن میں صلوٰۃ کا حکم بمعنی نماز نہیں ہے اور اس کتاب میں قرآن کے وہ مقامات بھی آپ کے سامنے پیش کئے گئے جہاں اگر صلوٰۃ کا مفہوم نماز لیا جائے تو آیت کا دعویٰ پورا نہیں ہوتا۔ انبیاء کی صلوٰۃ سے یہ ثابت کیا گیا کہ انبیاء کرام اللہ کی وحی کو نافذ کرنے کا فریضہ انجام دیتے آئے ہیں اور یہی عمل صلوٰۃ ہے۔ آیئے اب آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ صلوٰۃ کو کون لوگ قائم کرتے ہیں، کون لوگ ضائع کرتے ہیں اور اس کا مذاق کون لوگ اڑاتے ہیں۔

سورۃ مریم کی آیت نمبر 58 میں انبیاء کرام کا حوالہ دے کر فرمایا گیا.....

"اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ وَّمِنۡ ذُرِّیَّۃِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡرَآءِیۡلَ وَمِمَّنۡ ہَدَیۡنَا وَاجۡتَبَیۡنَا اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا"

"یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یہ لوگ آدم کی ذریت سے انبیاء تھے اور وہ لوگ تھے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ اٹھایا، اور ذریت ابراہیم اور اسرائیل سے اور ان لوگوں کی ذریت میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت دی اور پسند کیا۔ جب ان پر رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ دل کے پورے گداز کیساتھ سرنگوں ہو جاتے ہیں۔"

لیکن اس کے برعکس .....

"فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِ هِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوْاالصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوْاالشَّهْوٰتِ فَسَوْفَ يُلْقَوْنَ غَيًّا o"

"پس آئے ان کے بعد ایسے لوگ جنہوں نے صلوٰۃ کو ضائع کیا اور خواہشات کے اسیر ہوئے۔ سو ایسے لوگ جلد ہی ہلاکت میں ڈال دیئے جاتے ہیں"۔ (سورۃ مریم آیت نمبر59)

دیکھ لیجئے انبیاء کرام اور ان کے تابعین کے بعد ایسے لوگ آتے ہیں جو صلوٰۃ کو ضائع کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ آپ سورۃ مریم پڑھ کر دیکھ لیجئے آپ کو انبیاء کرام نماز پڑھتے نہیں ملیں گے بلکہ وہ احکامات الٰہی پر عمل پیرا ملیں گے۔ اور یہی وہ مشن ہوتا ہے جو ناخلف لوگ انبیاء کے جانے کے بعد ضائع کرتے ہیں اور پھر اپنی خواہشات سے الگ ہی دین و مذہب بنالیتے ہیں جن میں احکامات الٰہی کا دور دور تک نام و نشان نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ کے نام پر چند اعمال کئے جاتے ہیں جن کا وجود وحی الٰہی میں قطعاً نہیں ہوتا اور انہی کو مقصود بنا کر معصوم عوام کی خون پسینے کی کمائی کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جاتا ہے۔ یہ کام مذہبی پیشوائیت کا ٹولہ کرتا ہے جس کا بھرم معاشرہ میں ہوتا ہے۔

سورۃ مریم میں جن ناخلف لوگوں کا ذکر ہے ان کے متعلق سورۃ الاعراف میں مزید وضاحت کی گئی ہے کہ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو وارث کتاب یعنی مذہب کے ٹھیکیدار بن بیٹھتے ہیں۔ ان مذہبی ٹھیکیداروں سے متعلق ارشاد ہے.....

"فَخَلَفَ مِنْ ۢ بَعْدِ هِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْ خُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُلَنَا"

"پس ان کے بعد لوگ ناخلف ہوئے اور الکتاب کے وارث ہوئے اس ادنی زندگی کے مفادات کو لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں یقیناً ہماری مغفرت کردی جائے

گی'' (سورۃ اعراف آیت نمبر169)

ایسے لوگوں کی چند دوسری خصوصیات بیان کرنے کے بعد مصلحین کی کیفیت یوں بیان کی گئی۔

"وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَا لْمُصْلِحِیْنo"

''وہ لوگ جو الکتاب کو تھام لیتے ہیں اور صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں یقیناً ہم مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرتے'' (سورۃ اعراف آیت نمبر170)

دیکھ لیجئے وہ لوگ جو الکتاب سے اپنے آپ کو جوڑ لیتے ہیں یقیناً اللہ کی نظر میں مصلحین ہوتے ہیں اور آئندہ بھی وہ وہی ہوں گے جو وحی الٰہی سے جڑیں گے اور اس کو نافذ کریں گے۔ اگر تو یہ لوگ الکتاب سے زبانی کلامی جڑ گئے اور اس کو نافذ نہ کیا اس پر عمل پیرا نہ ہوئے اس کو راہ حیات نہ بنایا تو الکتاب کو پکڑنے کا کیا فائدہ؟ کسی کتاب کو پکڑنے کا مطلب ہے اس پر عمل پیرا ہونا۔ یقیناً یہاں "یُمَسِّکونَ بالْکِتبِ" کے بعد "اقاموا الصلوٰۃ" کا حکم اس کتاب کے نفاذ کا حکم ہے۔

اہل کتاب کے حوالے سے بھی جنہوں نے اسی طرح کا رویہ اختیار کیا ہوا تھا اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں.....

"قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ الَّذِی جَآ ءَ بِہٖ مُوْسٰی نُوْراً وَھُدًی لِلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَہٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَھَا وَتُخْفُوْنَ کَثِیْراً وَعُلِّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا اَنْتُمْ وَلَا آبآؤُکُمْ قُلِ اللّٰہُ ۙ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِی خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَo"

''ان سے پوچھو وہ کون ہے جس نے وہ الکتاب اتاری جس کو لیکر موسیٰ آئے جو انسانوں کے لیے نور و ہدایت تھی جس کو تم نے ورقہ ورقہ کر دیا۔ تم ظاہر بھی

کرتے ہو اور اکثر چھپاتے ہو حالانکہ تم اور تمہارے پیشواء وہ علم دیئے گئے جس کا تم لوگوں کو بالکل علم نہ تھا۔ تم اعلان کرو کہ اللہ ہی ہے جس نے وہ الکتاب نازل کی تھی۔ اس کے بعد ان کو چھوڑ دو اپنی بے ہودگی میں مست رہیں۔'' (سورۃ الانعام آیت نمبر91)

لیکن اس رویہ کے برعکس ایک مومن کا رویہ یوں بیان کیا گیا.....

''وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِى بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ o''

''اور ہم نے نازل کیا اس مبارک کتاب کو جو مصدق ہے اپنے سے آگے کی اور تاکہ تم پیش آگاہ کرو ام القری اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اپنی صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں'' (سورہ الانعام آیت نمبر92)

سورۃ مریم، سورۃ اعراف اور سورۃ انعام کی ان آیات کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ ہم نے بھی صلوٰۃ کو نماز بنا کر وہی کام کیا ہے جو پہلی امتوں کے مذہبی پیشواؤں نے کیا تھا۔ یعنی الٰہی احکامات کے تحت ایک عدل و انصاف پر مبنی خوشحال معاشرہ کو جس میں ہر شخص کے حقوق اس کو اس کے گھر پر ملیں، ایک طریقہ پرستش میں بدل دیا۔

اور یہی وجہ ہے کہ ہم نماز پڑھنے میں تو بہت ذوق و شوق دکھاتے ہیں لیکن انسان کے حقوق پامال کرتے وقت احساس بھی نہیں ہوتا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے ممالک میں انسانی حقوق کی پامالی سب سے زیادہ نظر آتی ہے۔

حقیقت صلوٰۃ

دیکھئے اس حقیقت سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے کہ الصلوٰۃ وہ قرآنی اصطلاح ہے جو وحی الٰہی کے نزول سے لے کر اس کے نفاذ تک کے تمام مراحل پر محیط ہے۔ اسی لیے اہل ایمان جو کتاب الٰہی کو پکڑے رکھتے ہیں وہ اسکی حفاظت بھی کرتے ہیں اور اس کے معاملے میں خوف بھی کھاتے ہیں وہ اس کو نصب العین بھی بناتے ہیں وہ اس کو نافذ کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اور نتیجتاً اس کو نافذ بھی کر دکھاتے ہیں۔

سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"اِنَّمَاوَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُو االَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُوْء تُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ o"

"تمہارے ولی تو صرف اللہ، اس کا رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، ایتاء زکوٰۃ کے فرائض انجام دیتے ہیں اور حالت رکوع میں رہتے ہیں" (سورۃ المائدہ آیت نمبر55)

دیکھئے اس آیت میں اہل ایمان کی تین خصوصیات بتائی گئیں۔ یہ لوگ.....

۱) اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں۔

۲) ایتاء زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

۳) اور حالت رکوع میں رہتے ہیں۔

اس آیت میں اگر اقامت صلوٰۃ کو نماز کا قیام لیا جائے تو ایک الجھن یہ پیش آتی ہے کہ جب اہل ایمان نے نماز کو قائم کرلیا اور ظاہر ہے نماز میں رکوع بھی کرلیا تو

نماز کے علاوہ وہ کون سا رکوع ہے جو وہ لگاتار کرتے رہتے ہیں۔

لیکن اگر اقامت صلوٰۃ کو احکامات الٰہی کا قیام مقصود بنایا جائے تو یقیناً ایمان والے اس کے قیام کا نہ صرف فریضہ انجام دیں گے بلکہ ان کے تحت جو بھی حکم ملے گا اس کے لیے ہر وقت تیار رہیں گے۔

ضمنی طور پر عرض کردوں کہ ایسا ہی حکم اہل کتاب کو بھی دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر 43 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ o"

"اقامت صلوٰۃ کرو، ایتاء زکوٰۃ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"

اس آیت میں بھی اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کے بعد رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم ہے۔ اصلاً صلوٰۃ وہ نظم ہے جو وحی الٰہی کے تحت متشکل ہوتا ہے اسی کے لیے مومن ہر وقت تیار و آمادہ رہتا ہے اور اسی کو قائم کرکے ایک خوشحال معاشرہ کو متشکل کرتا ہے۔

آیئے اس ضمنی بحث کے بعد اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 56 میں واضح طور پر بتانے کے بعد کہ ایمان والوں کے ولی صرف اللہ، اس کا رسول اور ایمان والے ہیں آگے فرمایا.....

"وَمَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ"

"اور جو کوئی دوست ہو اللہ اس کے رسول اور اہل ایمان کا تو یقیناً اللہ کا گروہ غالب رہنے والا ہے"

اس آیت میں ان لوگوں کا بتا دیا جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے ولی ہوتے ہیں۔ انہی کو حزب اللہ کہا گیا اور اگلی آیت میں دیکھئے کہ کن لوگوں کو دوست نہ بنانے کی تلقین ہے اور کس وجہ سے.....

”یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُواًوَّلَعِباًمِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَاَوْلِیَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُوْمِنِیْنَ o“

”اے ایمان والو اہل کتاب اور کفار سے ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو کھیل تماشہ بناتے ہیں۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کئے رہو اگر تم مومن ہو“

دیکھئے اس آیت میں اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے دوستی رکھنے کو منع کر دیا گیا جو ہمارے دین کو کھیل تماشہ بناتے ہیں اور اب اگلی آیت میں دیکھئے کہ وہ لوگ کس کو کھیل تماشہ بناتے ہیں......

”اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْ ھَا ھُزُوًاوَّ لَعِباً ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ o“

”جب تم صلوٰۃ کی طرف بلاتے ہو تو وہ اس کو کھیل تماشہ بناتے ہیں یہ اس وجہ سے کہ وہ بے عقل قوم ہیں“ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 58)

بات بالکل واضح ہو گئی کہ اہل کتاب اور کفار میں سے لوگوں نے مومنوں کے دین کو کھیل تماشہ سمجھا ہوا تھا اسی لیے جب لوگوں کو اس دین کی طرف بلایا جاتا تھا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

آیت نمبر 57 میں جس فعل کو دین کہا گیا اسی کو اگلی آیت میں الصلوٰۃ کہا گیا۔

اس آیت کے مفہوم کو انتہائی غلط طریقے سے ماخوذ کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہم نے سارے اہل کتاب سے دشمنی مول لے لی ہے۔ اس آیت میں سب اہل کتاب کے متعلق بات نہیں کی گئی ہے بلکہ اہل کتاب میں بعض لوگ ایسے تھے جو اس نظام کے خلاف تھے کیونکہ اس نظام کی ضرب ان کے مفادات پر پڑتی تھی اس لئے وہ اس نظریہ اور نظام کا مذاق اڑاتے تھے اسی وجہ سے اہل ایمان سے کہا گیا کہ اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے دوستی نہ رکھو جو تمہاری صلوٰۃ یعنی نظام کا مذاق اڑاتے ہیں۔

سورۃ الجمعہ

آیئے سورۃ الجمعہ کے وہ مقامات بھی دیکھ لئے جائیں جہاں صلوٰۃ کو نماز ماخوذ کرنے کی وجہ سے یہ وضاحت نہیں ہو پاتی کہ آیا ان مقامات پر ''الصلوٰۃ'' کی اصطلاح اللہ کے احکامات کے لیے وارد ہوئی ہے یا یہ کہ کسی طریقہ عبادت کے لیے۔ سورۃ الجمعہ کی آیت مبارکہ ''اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ'' کو سمجھنے کے لئے سورۃ الجمعہ کا پورا مطالعہ کرنا ہوگا۔

سورۃ الجمعہ کی ابتداء ہو رہی ہے اللہ کی صفات عالیہ کے بیان سے جس کے لئے تمام کائنات تسبیح کر رہی ہے.....

''یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ O''

''جو چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب کی سب پاک، غالب اور حکیم مالک کی تسبیح کرتی ہے''

کائنات کے لئے اللہ کی تسبیح کرنے کا کیا مطلب؟ ہم کائنات کو ہاتھ میں مالا لئے دانوں پر ''سبحان اللہ'' کی رٹ لگاتے نہیں دیکھتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ کائنات کے ذرہ سے لیکر مہیب کرۂ تک اللہ کے دئے ہوئے قانون پر عمل پیرا ہے۔ یعنی تسبیح کا بنیادی معنی ہے ان احکامات پر بے چون و چرا لگے رہنا جو اس کو دیئے گئے ہیں۔ یہ بتانے کے بعد کہ تمام کائنات اللہ کے احکامات کے مطابق چل رہی ہے آیت نمبر 2 میں ارشاد ہوا.....

"هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o"

"وہی تو ہے جس نے غیر اہل کتاب میں سے ہی رسول مقرر کیا جو انکے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے، اُنکا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ کہ وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے"

اہل عرب کو اللہ کے احکامات کے مطابق چلانے کے لئے ایک رسول کو مبعوث کیا گیا تاکہ وہ ان لوگوں کو جو اللہ کے احکامات سے نا واقف ہیں اللہ کے احکامات بتائے اور ان احکامات کے ذریعے ان کا تزکیہ کرکے ان کے ذہن سے تمام تر غلط عقائد نکال ڈالے ان کو اللہ کے احکامات اور ان احکامات کی حکمت کی تعلیم دے۔ یعنی جو تسبیح کائنات کا ذرہ ذرہ کر رہا ہے وہ اب انسان کو الکتاب کے ذریعے سکھلا دی گئی اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ ابھی ان عربوں میں سے کچھ دوسرے بھی ہیں جو ان سے نہیں ملے ہیں لیکن رسول کا مبعوث کیا جانا اللہ کا فضل ہے جو ان لوگوں کو عطا کرتا ہے جو اس کے قانون مشیت پر پورا اترتے ہیں۔

"وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ o ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ"

"اور رسول ان کی طرف بھی مبعوث کیا گیا جو ان میں سے دوسرے ہیں لیکن ابھی ان سے ملے نہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ انہیں عطا کرتا ہے جو اس کے قانون مشیت پر پورا اترتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والا ہے"

کائنات کی تسبیح اور الکتاب کے ذکر کے بعد اہل کتاب کی مثال دی گئی کہ ان کو بھی توراۃ دی گئی تھی لیکن انہوں نے توراۃ کو اس طرح لیا جیسے گدھا وزن اُٹھائے پھرتا ہے اور یقیناً یہ اس قوم کی مثال ہے جس نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی.....

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰا ة ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ٥ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِىْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥"

"ان لوگوں کی مثال کہ جن کو توراۃ کی ذمہ داری دی گئی لیکن انہوں نے اس ذمہ داری کو نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے کہ جس گدھے پر بڑے بڑے بوجھ لاد دیئے گئے ہوں۔ جو لوگ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں انکی مثال بری ہے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ کہدو کہ اے یہود اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی خدا کے دوست ہو اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں تو پھر ذرا موت کی آرزو کرو۔ اور یہ ان اعمال کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے کیے ہرگز ایسی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ کہہ دو کہ وہ موت جس سے تم فرار اختیار کرتے ہو وہ تو تمہارے سامنے آ کر رہے گی پھر تم الغیب اور الشھادۃ کے علم والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تم کو سب بتائے گا"

قوم یہود کی مثال دینے کے بعد ایک دفعہ پھر خطاب اہل ایمان سے ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے......

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"

"اے اہل ایمان جب تم کو جمع ہونے کے روز (یا جمعہ کے روز) صلوٰۃ کے لئے بلایا جائے تو سعی کرو (یعنی جدوجہد کرو، بھاگ دوڑ کرو، محنت کرو) اللہ کے ذکر

یعنی اللہ کے احکامات کے لئے اور کاروبار چھوڑ دو اگر تم سمجھو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے"

"فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

"پس جب صلوٰۃ قضا کی جاچکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کے احکامات کی خوب یاد دھانی کراؤ تاکہ تم لوگ فلاح پاؤ"

دیکھئے ان آیات میں اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے اہل ایمان تم تمام تر مصروفیات کو چھوڑ کر اس مقصد کو پورا کرو اور جب صلوٰۃ کا فیصلہ ہوچکے یعنی احکامات الٰہی کے مطابق فیصلہ کر چکو تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ احکامات الٰہی کا تذکرہ زیادہ سے زیادہ کرو تاکہ ایک فلاحی معاشرے کا قیام عمل میں آئے۔

اگلی آیات کا بہت غور سے مطالعہ کیجئے ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْواً نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِماً ط قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ"

"اور جب یہ لوگ کسی تجارت یا کھیل تماشے کو دیکھتے ہیں تو ادھر ادھر بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں کھڑا چھوڑ جاتے ہیں کہہ دو کہ جو اللہ کے نزدیک ہے وہ تمہارے کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے"

دیکھئے اگر تو صلوٰۃ نماز تھی۔۔۔۔۔تو صحابہ کرام کے لئے اتنی بڑی غلطی کہ وہ دو منٹ کی نماز چھوڑ کر کھیل تماشا دیکھنے یا خرید و فروخت کے لئے رسالتماب کو اکیلا چھوڑ کر چلے جاتے تھے ناقابل قبول بات ہے۔ آج اس گئے گذرے زمانے میں بھی ہماری جوان نسل اس طرح نہیں کرتی۔ آج بھی کرکٹ کا کتنا ہی اہم میچ ہو رہا ہو نماز کے لئے جمعہ کے دن ہر شخص دوڑ لگاتا ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسالتماب

کے زمانے میں صحابہ کرام جمعہ کی نماز میں رسول اللہ کو بیچ نماز کے چھوڑ کر چلے جاتے ہوں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ مجالس نماز کے لئے منعقد نہیں ہوتی تھیں بلکہ ''صلوٰۃ کے قیام'' یعنی الٰہی نظام سے متعلق ہوتی تھیں اسی لئے کہا گیا ''اِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ'' ''جب صلوٰۃ فیصل ہو جائے'' قُضِیَت فعل مجہول ہے صلوٰۃ نائب الفاعل ہے یعنی ''صلوٰۃ'' کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایسی محافل لمبے لمبے وقت پر محیط ہوتی تھیں اور اسی وجہ سے بعض صحابہ غیر حاضر ہو جاتے تھے جس کے لئے حکم ہوا کہ یہ مجالس تمہارے کاروبار اور کھیل تماشے سے زیادہ اہم ہیں یعنی اس سورۃ میں صلوٰۃ بمعنی نماز ماخوذ کرنا ''صلوٰۃ'' یعنی الٰہی نظام کے ساتھ بہت زیادتی ہوگی۔ آیئے اب پوری سورۃ کو ایک نظر پھر سے اجمالاً دیکھتے ہیں۔

دیکھ لیجئے کائنات کی تسبیح اور رسول کی ذمہ داری یعنی اللہ کے احکامات کے ذریعے تزکیہ وتعلیم کے بعد ایک قوم کی مثال دی گئی جس نے اللہ کے احکامات کو جھٹلایا اور اب اس کے بعد ایمان والوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ دیکھو تم کو بھی جب صلوٰۃ کی طرف بلایا جائے تو تم اللہ کے ذکر یعنی احکامات کے لئے سعی کرنا اور بیع چھوڑ دینا۔

دیکھئے یہاں جس صلوٰۃ کی طرف بلایا جا رہا ہے وہ وہی صلوٰۃ ہے جو کائنات بھی کر رہی ہے جس کا توراۃ میں اہل کتاب سے بھی مطالبہ کیا گیا تھا اور جو اللہ کے ذکر سے متعلق ہے جسے قرآن احکامات الٰہی سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ وہی مقصد بعثت رسول ہے۔ یعنی یُعَلِمُھُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَۃَ اور یہی اس پوری سورۃ کا موضوع ہے کہ دیکھو جن قوموں نے اللہ کے احکامات کو صرف گدھے کی طرح اٹھایا تھا انہوں نے تکذیب آیات کی تھی۔ تم ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا رسول تمہارے درمیان موجود ہے تم

کو جب بھی صلوٰۃ یعنی آیات الٰہی کی تعلیم کی طرف بلائے تو اللہ کے ذکر یعنی احکامات کی طرف دوڑ کر آؤ۔

سورۃ الکوثر

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡo اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ o

''ہم نے تم کو کوثر عطا کردی ہے پس تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کیا کرو یقیناً تمہارا دشمن برباد ہوگا''

(سورۃ الکوثر کا عمومی ترجمہ جو تمام تراجم قرآن میں معمولی ردو بدل کے ساتھ ملتا ہے)

کوثر سے متعلق ایسی ایسی مہمل باتیں احادیث میں ملتی ہیں جن کا نہ سر ہے اور نہ پیر مزید یہ کہ سب کی سب متضاد ہیں۔۔۔۔۔۔ ہم زیادہ سے زیادہ اگر کہہ سکتے ہیں تو صرف یہ کہ ان تمام احادیث میں سے صرف ایک حدیث ہی صحیح ہوسکتی ہے باقی تمام کی تمام جھوٹی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ رسالتماب نے کوثر کو کبھی کچھ کہا ہو تو کبھی کچھ۔۔۔۔۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ رسول کو جو سب سے بڑی نعمت عطا ہوئی ہے وہ وحی الٰہی ہے اور یہی وہ نعمت ہے جو قرآن کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور اسی کی عملی شکل ایک اصلاحی معاشرہ کا قیام ہے۔

دیکھئے اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اگر تم صلوٰۃ اور نحر پر عمل پیرا ہو گے تو تمہارا دشمن برباد ہو جائے گا۔ کیا رسالتماب کا دشمن نماز اور جانوروں کی قربانی سے برباد ہوا تھا۔۔۔۔۔؟ ہرگز نہیں !

کیا آج مسلمانوں کا دشمن نماز اور جانوروں کی قربانی سے برباد ہو سکتا ہے۔۔۔؟ ہرگز نہیں !

کفار خواہ رسالتماب کے زمانے کے ہوں یا آج کے نہ تو نماز پڑھنے سے برباد ہوئے اور نہ ہی قربانی کرنے سے ورنہ رسالتماب کی تمام جدوجہد کس لئے تھی اور نہ ہی آج عرب قوم اتنی مغلوب ہوتی جہاں ڈنڈے کے زور سے نماز پڑھائی جاتی ہے اور سال میں حج کے موقع پر سب سے زیادہ جانوروں کی قربانی ہوتی ہے۔

جیسے کہ پہلے عرض کیا ''صلوٰۃ'' کے معنی ہیں احکامات الٰہی کے تحت ایک نظم قائم کرنا اور ''نحر'' کے معنی ہیں سینہ تان کر مقابلہ کرنا، کھڑے ہونا۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک کہ کسی قوم میں نظم نہیں ہوتا اور وہ دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑی نہیں ہوتی، کبھی اپنی بات نہیں منواسکتی اگر اسکا نظریہ کمزور ہے یا اس کے پاس قوت نہیں ہے تو کوئی قوم سر نہیں اٹھا سکتی۔

معاشرے کے قیام کے لئے ٹھوس نظریہ کی بنیاد ضروری ہے لیکن صرف ٹھوس نظریہ ہی کافی نہیں ہوتا نظریہ کے ساتھ اس پر قائم رہنے والے لوگ بھی چاہئے اگر پیروکار متزلزل ہیں تو دشمن اقوام ایسے معاشرے کو بہت جلد نیست و نابود کر دینگی۔

سورۃ الکوثر میں وحی الٰہی کی نعمت سے سرفراز کرنے کے بعد اسی بات پر زور دیا گیا ہے۔

۱) **فصل لربک** ..... ربوبیت عامہ کے لئے وحی الٰہی کی بنیاد پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

۲) **وانحر** ..... اور سینہ تان کر ڈٹ جاؤ۔

اس کے بعد فرمایا۔۔۔تمہارا دشمن بلاشک و شبہ برباد ہو جائے گا۔

اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ جس دن وحی الٰہی کی بنیاد پر قائم ہو جانے والے افراد ایک اصلاحی معاشرہ قائم کر لیں گے تو ان کے دشمن خود بخود اسی نظریہ سے متاثرہ ہوتے چلے جائیں گے۔

حقیقت وضو

سورۃ النساء کی آیت نمبر 43 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْاالصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًااِلَّا عَابِرِی سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوا ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِنَ الْغَائِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْامَآءً فَتَیَمَّمُوْاصَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ ؕاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا o "

"اے اہل ایمان تم نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم کو علم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ ہی وہ جو حالت جنب میں ہو غسل کرے سوائے اس کے کہ جو راستے کا مسافر ہو۔ اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی ایک رفع حاجت سے آئے۔ یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو اور اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو پس اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے"

(عمومی ترجمہ جو تمام ترجموں میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ ملتا ہے)

ان آیات سے استنباط کیا جاتا ہے کہ یہ آیات نماز اور وضو کی آیات ہیں اور کیونکہ ان آیات میں وضو کا قرینہ موجود ہے اس لئے یہ رکوع اور سجدہ والی نماز کی دلیل بنتی ہیں لیکن اگر سیاق و سباق کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہاں پر نہ تو نماز نظر آتی ہے اور نہ ہی وضو۔

پہلی بات: دیکھئے ارشاد ربانی ہے۔ "**لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکٰری حتیٰ تعلموا ما تقولون**" ''تم نشے کی حالت میں صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم کو علم ہو کہ تم کیا بول رہے ہو''

جب پوچھا جائے کہ کیا نمازی نشہ کر سکتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ پہلے اجازت تھی بعد کو یہ اجازت ختم ہو گئی۔ اور یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

اگر تو یہی بات ہے تو ''اللہ کا کلام آج کچھ اور کل کچھ'' کچھ عجیب سی بات ہے۔ اللہ بھی احکامات محکم نہیں دیتا بلکہ بدلتا رہتا ہے۔ حالانکہ وہ خود کہتا ہے "**لا یبدل القول لدی وما انا بظلامٍ للعبید**" ''میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی کیونکہ میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا'' اُس وقت کے عربوں کو تو بتدریج اسلام پر آنیکی سہولت اور آج کے کفار کو ایسی سہولت سے محرومی۔۔۔۔۔۔۔۔؟

دوسری بات: یہ کون فیصلہ کرے گا کہ قرآن میں کون کون سی اور کتنی آیات منسوخ ہیں۔ اگر آپ ناسخ و منسوخ کی تاریخ پڑھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر دور میں منسوخ آیات بدلتی رہی ہیں۔ اور یہ عجیب لگتا ہے کہ اللہ کا کلام ایک نفیس اور محکم کلام ہونے کی بجائے ایسا کلام ہے جو کہ ایک بچے کی کاپی کی طرح صحیح و غلط دونوں احکامات پر مبنی ہے۔

تیسری بات: اس آیت میں لفظ تقولون آیا ہے جو عربی میں مادہ ''ق و ل'' سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور عام بول چال کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نماز میں تو کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس آیت میں اللہ پاک نے "**تقرء ون یا تتلون**" کے الفاظ نہیں استعمال کئے جو کہ قرآن کی تلاوت یا قرأت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ لفظ **تسمعون** بھی نہیں آیا کہ ہم کم ازکم امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کیلئے ہی اس آیت سے خاموش سننے کا مفہوم اخذ کر سکیں۔

چوتھی بات: آگے ارشاد ہے **"ولاجنبا الّا عابری سبیل حتی تغتسلوا"** ''نہ ہی وہ شخص نماز کے قریب جائے جو حالت جنابت میں ہو البتہ وہ جو مسافر ہے اُسے اجازت ہے''

آپ نے غور فرمایا کہ وہ شخص جو مسافر ہو اگر حالت جنابت میں بھی ہو تو بغیر غسل نماز پڑھ سکتا ہے۔ جس پر کچھ لوگوں کو خیال آیا کہ یہاں کچھ بات بن نہیں رہی تو بعض ترجموں اور تفاسیر میں دیکھیں گے کہ انہوں نے قرآن میں بھی تطبیق سے کام لیتے ہوئے فرمایا ''یہاں نماز میں شمولیت نہیں بلکہ مسجد کے درمیان سے گزرنے کی اجازت دی گئی ہے۔'' دیکھا آپ نے تطبیق کا کمال۔

پانچویں بات: آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے **"و ان کنتم مرضی او علی سفر اوجآء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدو امآء فتیمموا صعیداً طیباً"** ''اور اگر کہ تم مریض ہو یا سفر پر ہو اور تم میں سے کوئی ایک رفع حاجت سے آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو اور پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو'' **"فامسحوا بوجوھکم وایدیکم"** ''پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا اس مٹی سے مسح کر لیا کرو''

اسی آیت کو جب ذرا غور سے دیکھیں تو بہت بڑا سوال سامنے آتا ہے ملاحظہ فرمایئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے..... **"اوجآء احد منکم من الغائط"** ''یا تم میں سے کوئی ایک رفع حاجت سے آئے اور پانی نہ ملے تو تم سب تیمّم کرو''۔

تمام مترجمین کے مطابق بڑا صاف حکم ہے کہ تم میں سے کوئی ایک بھی رفع حاجت سے آئے اور پانی نہ ملے تو تم سب لوگ تیمّم کرو۔

دیکھئے **"جآء احدٌ منکم"** کا ترجمہ ''تم میں سے کوئی ایک'' کے علاوہ کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا جبکہ حکم پوری جماعت کو دیا جارہا ہے۔ کیونکہ حکم اگر صرف ایک اسی شخص

کے لیے ہوتا تو یوں ہوتا "جآء احدُ منکم من الغائط فھو فتیمم" اگر تم میں سے کوئی ایک رفع حاجت سے آئے تو وہ تیمّم کرے۔ اور اگر جمع کا صیغہ استعمال کرنا ہوتا تو یوں ہوتا "اذا جئتم من الغائط فتیمموا" "جب تم لوگ رفع حاجت سے آؤ تو تیمّم کر لیا کرو" لیکن خصوصی طور پر یہ کہنا کہ تم میں سے کوئی ایک رفع حاجت سے آئے تو تم لوگ تیمّم کر لیا کرو۔ یقیناً مفہوم تدبر کا متقاضی ہے۔ یہاں یقینی طور پر جماعت میں سے کسی ایک کے عمل کی وجہ سے پوری جماعت کو کوئی کام کرنا پڑرہا ہے۔

آیت کے اگلے حصہ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں "ماء" عام پانی نہیں ہے بلکہ یہ وہی پانی ہے جس کے ذریعے لوگوں کی شیاطین کے رجز سے تطہیر ہوتی ہے۔ اور نہ صعیداً طیباً پاک مٹی ہے جس کے ذریعے سے صاف ستھرے چہرے اور ہاتھوں کو مٹی سے گرد آلود کر لیا جائے کہ جو صاف تھے تو اب مٹی زدہ ہوگئے۔ بلکہ یہ کوئی ایسی بلندی ہے جو پاکیزہ ہے۔

دیکھئے جن چار حالتوں کے تحت تیمّم کا حکم دیا جارہا ہے وہ حسب ذیل ہیں

۱) ان کنتم مرضی اگر تم مریض ہو، اگر تم کو کسی کمزوری نے پکڑ لیا ہے، تم کسی کمی میں مبتلا ہو۔

۲) علی سفر اگر تم سفر پر ہو

۳) جآء احد منکم من الغائط تم میں سے کوئی ایک الغائط سے آیا ہو۔

۴) لمستم النساء تم نے النساء کو چھوا ہو۔

اب ہم ہر ایک لفظ پر غور کریں گے۔

مریض: سب سے پہلے ہمارے سامنے جو لفظ آتا ہے وہ ہے مریض۔ مرض نہ صرف جسمانی کمزوری کے لئے بولا جاتا ہے بلکہ ذہنی، اخلاقی اور علمی لحاظ سے

کمزوری کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے اس مریض کو جسمانی مریض کے طور پر پیش کیا ہے یا ان بلند اقدار اور احکامات سے لاعلم شخص کے طور پر کمزور کہا ہے؟ اس کے لئے ہمیں مقصد نزول قرآن کو سامنے رکھنا ہوگا قرآن نے انسانیت کو پست اقدار سے نکال کر اعلیٰ اقدار کی طرف اور محکومی سے آزادی کی طرف لے جانے کو اپنا مقصد بیان کیا ہے اس لیے اگر مقصد قرآن سامنے رکھا جائے تو فکری اور نظریاتی لحاظ سے کمزور شخص کو مریض کہا گیا ہے۔

سفر: سفر کے بنیادی معنی ہیں کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا صبح کا روشن ہونا چہرہ کا روشن ہونا، مقدس کتاب جس کی جمع اسفار ہے اسی مادہ سے سفیر یعنی ایلچی کا کام کرنے والا۔

یعنی صرف زمینی سفر کے معنی میں لفظ سفر نہیں استعمال ہوتا ہے بلکہ کسی ایک نظریہ یا موقف کی تبدیلی کو بھی سفر کہا جاتا ہے۔ کسی ایک منصب سے دوسرے منصب تک کے مراحل طے کرنے کو بھی سفر کہا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے معنی بھی مقصد قرآن کے تحت ہی متعین کرنے ہوں گے۔ اور یقینی طور پر یہاں نظریاتی سفر کی بات ہے۔

الغائط: غائط کا مادہ ''غ و ط'' ہے جس کے معنی ہیں غوطہ لگانا، سمندر کی گہرائی میں جاکر موتی نکالنا، نچلی سطح یا گھاٹی سے آنا، علم میں غوطہ زن ہونا پیچیدہ مسائل حل کرنا۔

کیونکہ غائط کے معنی نچلی سطح یا گھاٹی سے آنا بھی ہیں اس لئے اس آیت میں رفع حاجت سے واپس آنا ماخوذ کیا گیا۔ غیر ترقی یافتہ قومیں پہلے بھی اور آج بھی رفع حاجت کے لئے گھاٹی میں اتر کر فارغ ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے تراجم میں رفع حاجت سے فارغ ہونا ماخوذ کئے گئے۔ قرآن کسی خاص زمانے کے عمل کو نقل نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے الفاظ ابدی ہیں اس لئے اصولی بات کرتا ہے۔ اور یقیناً ایک

کتاب جو اصول پر مبنی ہو وہ گھاٹی میں اتر کر رفع حاجت کی بات نہیں کیا کرتی ہے۔ قرآن اقدار کی کتاب ہے نہ کہ چند رفع حاجب کے مخصوص طریقوں کی جو کسی زمانے میں کئے جاتے تھے۔

اس کے علاوہ رسالتماب کے زمانے کے محلات اور گھروں میں جو کچھ عرصہ پہلے تک ہم دیکھ سکتے تھے رفع حاجت کے معقول انتظام ہوا کرتے تھے۔ قرآن بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ رسالتماب سے پہلے کے لوگ بھی پہاڑوں تک کو چیر کر محلات بناتے تھے اور آثار قدیمہ اس بات پر شاہد ہیں لیکن خدا جانے کس غیر مہذب اور غیر ترقی یافتہ قوم کے لوگوں نے یہ مفاہیم اخذ کئے ہیں جس کی وجہ سے رسالتماب کے زمانے کو انتہائی پست اقوام کا زمانہ بنا ڈالا ہے ایسے مفاہیم سے مفسر کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے مفسر یا تو خود غیر ترقی یافتہ شخص تھا یا اس نے جان بوجھ کر رسالتماب کے زمانے کو ایک انتہائی غیر مہذب قوم کے طور پر پیش کیا ہے اس کے علاوہ یہاں یہ لفظ معرف بالام ہے جس کے معنی عام نہیں ہوسکتے بلکہ کسی خاص غائط کی طرف نشاندہی ہے۔ ایک طرف تو ابوجہل ابولہب اور ابوصفیان کے محلات کا ذکر کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلامی مملکت کو چند فقیروں کی حکومت دکھاتے ہیں۔ حتی کہ رسالتماب کو بھی آخری وقت تک ایک یہودی کا مقروض بنانے سے بھی باز نہیں آتے۔ بلکہ اس یہودی کی اس جرات کو بھی بیان کرتے ہیں کہ آخری وقت میں اس نے رسالتماب کی گردن میں چادر ڈال کر اپنے قرض کا تقاضہ کیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مفسرین نے ایسی جھوٹی کہانیاں گھڑ کر رسالتماب کی کون سی خدمت انجام دی ہے۔ یقیناً یہاں الغائط سے مراد گھاٹی نہیں بلکہ نظریات کے لحاظ سے نچلی سطح مراد ہے۔

النساء: النساء کا مادہ ہے ''ن س و'' جس کے معنی بھی کمزوری کے ہیں اور اس

جگہ نساء کا لفظ بھی معرف باللام ہے یعنی یہ کوئی عام نساء کی بات نہیں ہو رہی بلکہ کسی خاص نساء کی بات ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس جگہ نساء بمعنی عورت نہیں بلکہ نظریاتی کمزوری کے معنوں میں آیا ہے۔

تیمّم: پانچواں لفظ ہے تیمّم جس کا مادہ ''ی م م'' ہے اور جس کے معنی ارادہ اور مقصود کے ہوتے ہیں۔ تیمّم کو ایک خاص معنی پہنا کر ایک ایسے مقدس عمل سے منسوب کردیا جس کی وجہ سے ایک صاف ستھرا شخص اپنے اوپر مٹی ملنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ حالانکہ تیمّم کا حکم ایک خاص کیفیت میں ہے جبکہ ''مآءً'' جس سے شیطان کی گندگی سے نجات ملتی ہے، میسر نہ ہو اور تیمّم کا مقصد صعیداً طیباً ہے جس کا ترجمہ پاکیزہ مٹی کردیا جاتا ہے۔

صعیداً طیباً: صعیداً کا مادہ ہے ''ص ع د''۔ جس کے معنی بلندی کے ہیں اور طیب تو بہت معروف لفظ ہے جس کے معنی پاکیزہ صاف اور موزوں ہوتے ہیں یعنی صعیداً طیباً کے معنی ہیں ایسی بلندی جو نہایت پاک صاف اور موزوں ہو۔

مآءً: قرآن کا موضوع اور مقصود انسانی ذات کی تطہیر و تزکیہ ہے جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی الٰہی کو رسولوں کے ذریعے ہم تک پہنچانے کا انتظام کیا دنیاوی لحاظ سے پانی سے جسم کی صفائی ہوتی ہے لیکن فکر و نظر کی صفائی کسی پاکیزہ تعلیم سے ہوتی ہے۔ اس لئے شیطان کی گندگی سے صفائی کے لئے ماء وحی نازل کیا جس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے پانی کی مثال ایک مردہ زمین کو زندہ کرنے کے حوالے سے بھی دی گئی کہ جس طرح آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے اور اس سے مردہ زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے اسی طرح تمہاری نشوونما ہے۔ سورۃ الانفال میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''وَ یُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمۡ بِهٖ وَ یُذۡهِبَ عَنۡکُمۡ رِجۡزَا

لشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْ بِکُمْ وَ یُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ o"

"اور اس نے نازل کیا آسمان سے پانی کہ جس کے ذریعے وہ تمہاری تطہیر کرے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کرے اور تمہارے دل مربوط کرے اور تمہیں ثابت قدم رکھے"

یہ ہے مقصد "مَآءً مِنَ السَّمَاءِ" یعنی آسمانی پانی کا۔ دلوں کو مربوط رکھنے کا کام کسی بارش کے پانی سے نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی انسان کے ارادوں کو ثابت قدم رکھنے کے لئے یہ پانی کسی کام آسکتا ہے اور نہ ہی شیطانی اعمال سے بچا سکتا ہے۔ یہ کام تو صرف وحی الٰہی ہی کرسکتی ہے یا کوئی اعلیٰ اقدار کی تعلیم خواہ قرآن پر مبنی ہو یا دوسری الہامی کتابوں پر۔

وضو کے مضمون کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سورۃ النساء کی اگلی اور پچھلی آیات کا مطالعہ نہ کر لیا جائے۔

آیت نمبر 41 میں اللہ پاک نے رسالتماب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دن کیا ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تم کو اِن لوگوں پر گواہ کھڑا کریں گے۔ اس دن کافر لوگ اور وہ لوگ جنہوں نے رسول کی معصیت کی تھی چاہیں گے کہ کاش زمین ان پر برابر ہو جائے لیکن کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا ......

"یَـا اَیُّھَـاالَّـذِیْـنَ اٰمَـنُـوْ اَلا تَـقْـرَبُـوْاالصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰیٰ حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ"

" اے اہل ایمان تم احکامات الٰہی کے متعلق رائے زنی کے قریب بھی نہ جاؤ جب تک تم کو علم نہ ہو کہ تم کیا بول رہے ہو۔"

یعنی احکامات الٰہی کا پورا پورا علم ہونا چاہیئے اس کی غایت سے لیکر اس کے نفاذ

تک کے تمام مراحل سے تم کو پوری پوری واقفیت ہونی چاہئے تب تم اس بات کے اہل ہوگے کہ وحی الٰہی کے متعلق کچھ کہہ سکو۔

"وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوا" اور نہ ہی وہ شخص جو احکامات الٰہی سے ایک طرف ہو یا اجنبی ہو سوائے وہ شخص جو "عابری سبیل" یعنی کسی بھی سبیل کا عبور کرنے والا ہو۔ "عابری سبیل" کے معنی ہوتے ہیں کسی نظریہ پر عبور رکھنے والا جیسے اللہ کے اقدار پر چلنے والے کو "ابن السبیل" کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اللہ کے احکامات سے نا واقف ہے لیکن کسی بھی راستے کا ماہر ہے تو وہ اپنے اختصاص کی بنیاد پر احکامات الٰہی کے متعلق بول سکتا ہے ورنہ وہ لوگ جو احکامات الٰہی سے مکمل اجنبیت میں ہیں ان کو چاہئے کہ وہ پہلے اپنے ذہن کی تطہیر کریں۔

لیکن ایک حالت ایسی بھی ہوتی ہے جہاں نہ صرف احکامات الٰہی کے متعلق علم نہیں ہے بلکہ وہ کسی فکری کمزوری میں مبتلا ہے یعنی فکری مریض ہے "وَاِنْ کُنْتُمْ مَرْضٰی" یا کسی دوسرے صحیفہ کا پیروکار ہیں "اَوْعَلٰی سَفَرٍ" یا تم میں سے کوئی شخص کسی نچلی نظریاتی سطح سے آکر اب وحی الٰہی سے روشناس ہوا ہے "اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِنْکُمْ مِنَ الْغَائِطِ" یا تم سب لوگوں کو کسی فکری کمی نے آلیا ہے "اَوْلَمَسْتُمُ النِّسَاءَ" اور تم وحی الٰہی کی تعلیم نہیں پاتے "فلم تجدوا مآءً" تو تمہارے ارادے اور مقصود بلند و پاکیزہ ہونے چاہئیں "فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْداً طَیِّباً" اس کے لئے تم کو اپنی توجہات اور جماعتی قوت کی مسیحائی کا فریضہ انجام دینا ہوگا۔ "فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ" کیونکہ اللہ عافیت میں لینے والا اور حفاظت فراہم کرنے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَفُوًّا غَفُوْرًاo

ان آیات میں وحی الٰہی سے متعلق انسان کی مختلف کیفیات کا جو بیان ہوا اس سے متعلق دلیل سے آگے کی آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ تم پچھلے لوگوں کی طرح نہ

ہو جانا ملاحظہ فرمایئے......

"اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْ انصِیباًمِنَ الْکِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَۃَ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ"

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو الکتب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کی تجارت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم اللہ کے راستے سے گمراہ ہو جاؤ۔"

یعنی آیت نمبر 43 میں جو طریقہ بیان کیا گیا وہ اللہ کے راستے سے گمراہ ہونے سے بچا سکتا ہے۔ آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے......

"وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِکُمْ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیاًّ وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْراً"

"اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ بطور ولی اور بطور مددگار کافی ہے۔"

اگلی آیت تو بالکل واضح کر دیتی ہے کہ موضوع صرف وحی الٰہی ہی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے...... "مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَ یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا" یہودی لوگوں میں سے لوگ اللہ کے کلام کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی "وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ" اور سنی ان سنی کردی "وَرَاعِنَا" اور رعایت طلب کی "لَیاًّم بِاَلْسِنَتِھِمْ" اپنی چرب زبانی سے "طَعْناً فِی الدِّیْن" اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے۔

یہ تو یہود میں سے ان لوگوں کی کیفیت بیان ہوئی جو احکامات الٰہی کو سنتے بھی تھے لیکن اپنے مطلب کی بات میں بدل دیتے تھے جیسے کہ آج ہمارے ہاں بھی ہو رہا ہے، لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے "لَوْاَنَّھُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی "وَاسْمَعْ وَ انْظُرْنَا" ہمیں سنائیں اور ہم پر نظر رکھیں "لَکَانَ خَیْراًلَّھُمْ وَاَقْوَمْ" تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور ثابت قدمی کا باعث بنتا۔ لیکن کیونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے "وَلٰکِنْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ فَلَایُؤْمِنُوْنَ اِلَّا

قَـــلِیلاً‘‘ تو ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کی پس یہ اہل ایمان نہیں سوائے چند لوگوں کے۔

یعنی سورۃ النساء کی آیت نمبر 43 سے پہلے بھی اور بعد کی آنے والی آیات میں بھی یہود کی روش بیان ہوئی ہے۔

ماقبل آیات میں اہل یہود کا رویہ بتایا گیا جس کے بعد نصیحت کی گئی کہ تم وحی الٰہی کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کرنا جب تک کہ تم کو پوری طرح علم نہ ہو کہ احکامات الٰہی کا مقصد اور اس کا عمل کیا ہے اس لئے کوئی ایسا شخص احکامات الٰہی کے متعلق بات نہ کرے جو وحی الٰہی سے نابلد ہے پیشتر اس کے کہ وہ اپنی تطہیر کر چکا ہو۔ سوائے وہ شخص جو کسی میدان کا ماہر ہو لیکن اگر تم کسی بھی ذہنی اور فکری لحاظ سے کمزور تھے یا کسی دوسری کتاب کے پیروکار تھے اور تم میں سے کوئی نچلی تعلیمات سے آیا ہے یا تم کسی کمزوری میں مبتلا ہو اور تمہیں وحی الٰہی کا ادراک نہیں ہو رہا تو تم اپنے ارادے اور مقاصد بلند و پاکیزہ رکھو اور اپنی توجہات اور قوت کو اس سے لگائے رکھو یقیناً اللہ عافیت اور حفاظت والا ہے۔

ان آیات کے بعد جیسا کہ پہلے عرض کیا اہل یہود کی روش کا نمونہ پیش کیا کہ وہ کس طرح وحی الٰہی کو توڑ مروڑ کر فتوی سازی کا کاروبار کر رہے تھے۔ آیئے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 6 کا مطالعہ بھی کر لیں کیونکہ یہاں سے بھی وضو کا مفہوم لیا جاتا ہے۔

سورۃ المائدہ

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 6 میں بھی اسی طرح وحی الٰہی سے متعلق احکامات وارد ہوئے ہیں لیکن ان کو بھی وضو سے متعلق بتایا جاتا ہے۔ آیئے ان کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ لیکن غور کرنے سے پہلے صرف ایک بات جان لیجئے کہ سورۃ النساء کی آیات

اس شخص کی حالت کے متعلق ہیں جس کو وحی الٰہی کا علم نہ ہو۔ جب کہ سورۃ المائدہ میں اس کیفیت سے متعلق احکامات ہیں جس وقت انسان کو وحی الٰہی کا ادراک ہے اور وہ ان کے قیام کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ سورۃ النساء میں کہا گیا ''لا تقربوا الصلوٰۃ حتی تعلموا ما تقولون'' تم وحی الٰہی کے قریب نہ جانا یعنی وحی الٰہی کے متعلق رائے زنی نہ کرنا جب تک تم کو معلوم نہ ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو جب کہ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر6 میں ارشاد ہوا ''اذا قمتم الی الصلوٰۃ'' جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہوتے ہو۔ سورۃ المائدہ کی آیات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ؕ وَ اِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَ اَیْدِیْکُمْ مِّنْہُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ0''

''اے اہل ایمان جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لیا کرو۔ اور سر کا مسح کر لیا کرو۔ اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو طہارت کر لیا کرو۔ اور اگر بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرو پس اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا اس سے مسح کر لیا کرو۔ اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنی چاہتا بلکہ چاہتا ہے کہ تم کو مطہر کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تا کہ تم شکر کرو۔''

یہ ہے ان آیات کا عمومی ترجمہ ہے۔ اب آیئے ان آیات پر غور کرتے ہیں آیت کا آغاز ہو رہا ہے یہ کہہ کر کہ اگر تم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو تو۔۔۔۔ یعنی

یہاں ایک ایسی حالت کا بیان ہے جس میں اہل ایمان اگر نماز کو قائم کرنے کا ارادہ رکھیں تو آگے کے احکامات کی بجاآوری کریں.....

"یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ"

"اے اہل ایمان اگر تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہوتے ہو۔"

یہاں صرف اتنا نوٹ کر لیجئے کہ سورۃ النساء میں احکامات الٰہی کے متعلق اپنی رائے پیش کرنے سے اس وقت تک روک دیا گیا جب تک کہ وہ پوری طرح وحی الٰہی کے متعلق واضح نہ ہو جائیں کہ وہ کیا رائے دے رہے ہیں اور سورۃ المائدہ میں ان اہل ایمان سے خطاب ہے جو "الصلوٰۃ" یعنی احکامات الٰہی کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہا گیا کہ اگر تم وحی الٰہی کے لئے کھڑے ہوتے ہو تو "فَاغْسِلُوا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ" تو تم اپنی توجہات یعنی فکر و خیال اور اپنی قوت کی تطہیر کرو یہاں تک کہ وہ مرافق بن جائیں یعنی تمہارے ایسے ساتھی ہوں جیسے کہ یک جان دو قالب۔ مرافق مرفق کی جمع ہے مادہ کے لحاظ سے "ر ف ق" بنیادی حروف ہیں اور اسی مادہ سے لفظ رفیق بھی ہے جس کے معنی ایسا ساتھی جو اتنے جڑے ہوں جیسے یک جان دو قالب والی حالت ہو۔ مرفق کہنی کو بھی کہتے ہیں اور کہنی ہاتھ کے اوپر کے حصے کو نچلے حصے سے جوڑتی ہے۔ مرافق مفاعل کے وزن پر اسم الآلہ ہے اور معنی کے لحاظ سے وہ شخص یا چیز جو لوگوں کو جوڑنے کا باعث بنے اور خود بھی لوگوں سے جڑا رہے یہی لفظ "مرفقاً" سورۃ الکھف کی آیت نمبر 16 میں آیا ہے۔ وہاں کہنی نہیں بلکہ اس کے بنیادی معنوں میں ترجمہ ہوتا ہے۔ "ر ف ق" کے مادہ میں بنیادی معنی نرمی، نیک سلوک، آسانی سے حاصل ہونا، ہم سفر، اور نفع حاصل کرنے کے ہوتے ہیں۔ "وَامْسَحُوْا بِرَئُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ" اور اپنے بڑوں اور چھوٹوں کے لئے انتہائی شرف و مجد تک مسیحا بنو "مسح" کے معنی

ہوتے ہیں کسی کی ذہنی تطہیر کرنا "وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُباً" اگر تم اجنبی تھے "فَاطَّهَّرُوْا" تو تم مطہر بنو یعنی پہلی حالت تھی جس میں اہل ایمان وحی الٰہی سے متعلق پوری طرح واقف تھے اس لئے ان کو حکم ہوا کہ اپنی توجہات اور دست و بازو یعنی قوت کو یکسوئی کے ساتھ وحی الٰہی کی طرف لگائے رکھو۔ لیکن اگر دوسری حالت تھی یعنی وحی الٰہی سے اجنبیت تھی اور ابھی اس پوزیشن میں نہیں کہ وحی الٰہی سے متعلق تمام معاملات کو سمجھ سکیں تو پہلے تطہیر کا عمل کریں تاکہ غلط عقائد و خیالات سے پاک صاف ہوں۔

اس کے بعد اب تیسری حالت بتائی گئی کہ.....

"وَاِنْ کُنْتُمْ مَرْضٰی اَوْعَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِنْکُمْ مِنَ الْغَائِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْداً طَیِّباً فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ مِنْهُ"

"اگر کہ تم مریض تھے یا کسی دوسری کتاب پر تھے یا تم میں سے کوئی ایک نچلی سطح سے آیا ہے یا تم کو کسی کمزوری نے پکڑ رکھا ہے اور تم وحی الٰہی کو بھی نہیں پاتے تو تمہارے ارادے و مقصود انتہائی بلند و پاکیزہ ہونے چاہئیں اور انہی بلند و پاکیزہ مقصود سے اپنے بڑوں اور چھوٹوں کی مسیحائی کا فریضہ انجام دو۔"

کیونکہ اللہ تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں چاہتا بلکہ اس کے برعکس وہ تمہاری تطہیر چاہتا ہے اور اپنی نعمتوں کی تکمیل چاہتا ہے تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر کرو۔ ارشاد ربانی ہے.....

"مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ o"

"اللہ نہیں ارادہ کرتا تم پر تنگی کا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہاری تطہیر کرے اور اپنی نعمتوں کی تکمیل کرے تم پر تاکہ تم شکر کرو۔"

دیکھئے اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا ایک نتیجہ بھی بتا دیا گیا اور وہ یہ کہ اللہ کے

بندوں سے تنگی دور ہوگی اور اللہ کی نعمتوں کی بھرمار ہوگی۔ اور ہم کو اللہ کی نعمتوں کے استعمال کا سلیقہ بھی آئے گا۔ اس جگہ لفظ شکر کی بھی وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے ویسے تو ہمارے آباؤ اجداد نے ہمارے لئے تمام اعمال کو زبانی کلامی اور رسومات میں بدل دیا ہے اس لئے شکر کے معنی بھی ''اللہ تیرا شکر'' کہنا ہی کافی بنا دیا ہے حالانکہ شکر کے معنی ہیں کسی چیز کا صحیح استعمال۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ آپ نے کسی دوست کو تحفتاً ایک رومال دیا۔ اور اس نے آپ کے تحفے کی تعریف کی لیکن جب بھی آپ اس کے پاس گئے اپنے اس رومال کو بطور جھاڑن استعمال ہوتے دیکھا اور آپ کو دکھ ہوا کہ آپ کے دیئے ہوئے تحفے کی یہ ناقدر شناسی حالانکہ اس دوست نے نہ صرف اس وقت آپ کا شکریہ ادا کیا بلکہ آپ جب بھی اس سے ملے اس نے آپ کے رومال کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے برعکس ایک دوسرے دوست کو آپ نے ویسا ہی رومال تحفتاً دیا۔ اس نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد اس نے کبھی زبانی منہ سے شکریہ کے الفاظ ادا نہ کئے البتہ اس نے اس رومال کو ہمیشہ اپنی جیب میں لگایا اور آپ نے محسوس کیا کہ واقعی اس دوست نے آپ کے تحفے کی صحیح قدر کی اور اس رومال کے صحیح استعمال سے آپ کو خوشی ہوئی۔

''شکر'' اسی کا نام ہے کہ ہر نعمت کا صحیح استعمال کیا جائے۔ اور اللہ کا شکر یہ ہے کہ اس نے جو نعمتیں ہمیں عطا کی ہیں ان کا صحیح استعمال کریں صرف زبانی کلامی اللہ تیرا شکر ہے کہنا اور اس کی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرنا انتہائی ناشکری ہے اور ناقدری ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا صحیح استعمال سکھانے کے لئے ہی سورۃ المائدہ کی اس زیر مطالعہ آیت میں تین مختلف حالات کا ذکر کیا ہے۔

۱) پہلی حالت احکامات الٰہی سے مکمل واقفیت کی صورت میں جب انسان اس کے نفاذ کے لئے کھڑا ہوتا ہے جس کے لئے ارشاد ہوا ''اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ'' یعنی

جب تم اللہ کے قانون کی حاکمیت کے لئے کھڑے ہوتے ہو۔

۲) دوسری حالت وہ ہے جب ایک انسان احکامات الٰہی سے لاعلم ہوتا ہے۔ اس کے لیے وحی الٰہی اجنبی ہوتی ہے جسے کہا گیا "وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُباً"

۳) تیسری حالت وہ ہے کہ انسان احکامات الٰہی سے واقف تو نہیں لیکن اس کا ارادہ ومقصود وحی الٰہی بن گیا ہے اور وہ کسی کمی میں مبتلا تھا یا کسی دوسرے احکامات پر عمل پیرا تھا یا کسی ایسی تعلیمات کا پیروکار تھا جو کسی نچلے درجے کی تھیں یا کسی علمی و ذہنی کمزوری کے لاحق ہونے کی وجہ سے احکامات الٰہی کا ادراک نہیں کرسکا۔

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 6 میں وہ لائحہ عمل بتایا گیا ہے جس کے ذریعے امت کے ہر فرد کے لئے رہنمائی ہے کہ وہ علم کی جس سطح پر بھی ہو اسے اس کے مطابق عمل پیرا ہونا ہے۔ اس آیت کے مابعد کی آیات سورۃ النساء کی آیات نمبر 43 کی مابعد آیات سے مطابقت رکھتی ہیں دونوں مقام پر احکامات الٰہی کے متعلق "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا" کی تعلیم واضح نظر آتی ہے وہاں پر بھی اہل یہود کی روش کا ذکر تھا۔ یہاں پر بھی وہی بات ایک مختلف انداز سے بیان ہوئی ہے۔

سورۃ المائدہ کی زیر مطالعہ آیت کا اختتام اس طرح ہوا.....

"وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ o"

"تاکہ اللہ اپنی نعمتوں کی تکمیل تم پر کرے اور تاکہ تم اس کی نعمتوں کا صحیح استعمال کرو۔"

اسکے بعد جس طرح سورۃ النساء کی آیت نمبر 43 کے بعد اہل یہود کی روش بیان ہوئی تھی یہاں اہل ایمان کو یاد دلایا جارہا ہے ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِىْ وَثَقَكُمْ بِهٖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا

وَاَطَعْنَا"

"یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی اور اس کے اُس میثاق کو بھی یاد رکھو جو تم نے اس کے ساتھ کیا اور جب تم نے کہا تھا۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔"

اللہ کی نعمت اس وقت ہوئی جب اہل ایمان نے اللہ کے حکم کو سنا اور اس کی اطاعت کی۔ دیکھ لیجئے اللہ کی نعمت صرف اس کے کلام کو سننے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہوتی ہے جس کا طریقہ زیر مطالعہ آیت نمبر6 میں بتایا گیا اور طریقہ بتانے کے بعد یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی بتایا گیا وہ اس لئے تھا "لِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ" کہ وہ اپنی نعمت کی تکمیل چاہتا ہے۔ جس کے متعلق سورۃ النساء میں اہل یہود کی روش بیان کرکے بتایا گیا کہ ان کی روش یہ تھی.....

"يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا"

"کہ وہ اللہ کے کلام کو اپنے مقام سے ہٹا دیتے تھے اور کہتے تھے ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی"

"واسمع غیر مسمع" اور سنی ان سنی کی۔ جب کہ المائدہ میں اہل ایمان سے خطاب ہے اور اہل یہود کے برعکس اہل ایمان نے اپنے میثاق کو نہیں توڑا اور جو وحی الٰہی سنی اس پر عمل پیرا ہوگئے اس لئے اللہ کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔

سجدہ

گو کہ پچھلے صفحات میں ''صلوٰۃ'' کے زیر مضمون سجدہ واضح ہو چکا ہے کہ سجدے کے معنی ہیں کسی کے آگے سرنگوں ہو جانا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہم نے سجدہ کو ایک علامتی اظہار بنا کر اس کا حقیقی پہلو بھلا دیا ہے۔ رسم کے لحاظ سے ہم اپنا ماتھا زمین پر رکھ کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے سجدہ کا حق ادا کر دیا حالانکہ سجدہ کا حق کیونکر ادا ہو سکتا ہے جب تک احکامات الٰہی کو آپ اپنے خیالات و نظریات اور جان و مال پر نافذ نہیں کرتے۔ دیکھئے اللہ پاک نے سجدہ کی رسم کہیں بیان نہیں کی اس کے برعکس سجدہ کے الفاظ نہ صرف انسان کے لئے بلکہ تمام چرند پرند نباتات و جمادات یعنی کائنات کی ہر چیز کے لئے بیان کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ یہاں صرف دو مقامات پیش کرتا ہوں۔

سورۃ النحل کی آیات 50-47 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''اَوَلَمْ یَرَوْااِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْئٍ یَّتَفَیَّئُوْا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّداً لِلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ o وِلِلّٰہ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُمْ لَایَسْتَکْبِرُوْنَ o یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِنْ فَوْقِھِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُوْءْ مَرُوْنَo''

''کیا تم نے نہیں دیکھا کسی چیز کو جو اللہ نے تخلیق کی کہ اس کے سائے دائیں اور بائیں سجدہ ریز ہیں اللہ کے لئے اور وہ اطاعت گزاری کی حالت میں ہیں اور اللہ کے لئے سجدہ ریز ہے جو کوئی بھی آسمان و زمین میں ہے خواہ وہ کوئی دابہ ہو یا

ملائکہ۔ اور وہ کوئی تکبر نہیں کرتے بلکہ وہ مزید خوف زدہ ہوتے ہیں اپنے رب سے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا وہ حکم دئے جاتے ہیں۔"

دیکھئے ان آیات میں چند نتائج سامنے آتے ہیں

۱) سب سے پہلی چیز کہ اللہ نے دعوت دی ہے کہ دیکھو۔ کیونکہ تم دیکھتے نہیں ہو اس لئے دیکھو کہ

۲) ہر چیز کا سایہ تک اللہ کے لئے سجدہ ریز ہے۔

۳) کائنات کی ہر چیز سجدہ ریز ہے خواہ وہ کسی قسم کی مخلوق ہو۔ ملائکہ بھی سجدہ ریز ہیں۔

۴) کائنات کی کوئی چیز تکبر نہیں کرتی۔

۵) کائنات کی ہر چیز اپنے رب سے خوفزدہ ہے۔

۶) وہ صرف وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم ہوا ہے۔

اب آپ غور کر لیجئے کہ سجدہ کیا چیز ہے۔ ہمارے تراجم اور تفاسیر میں کہا جاتا ہے کہ کائنات کس طرح سجدہ ریز ہے ہمیں نہیں معلوم۔ ان نباتات و جمادات کا سجدہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن اللہ نے ان آیات میں دعوت فکر دی ہے کہ دیکھو کائنات کی ہر چیز سجدہ ریز ہے اور اگلی آیات میں بتا بھی دیا کہ وہ سجدہ ریزی کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے سجدہ ریزی.....

۱) و هم دٰخرون.....وہ حالت اطاعت میں رہنے والے ہیں۔

۲) وهم لا يستكبرون.....وہ تکبر نہیں کرتے۔

۳) ويفعلون ما يوء مرون.....وہ وہی کرتے ہیں جس کا حکم ملتا ہے۔

کائنات کی تمام مخلوق خواہ وہ جمادات ہوں یا نباتات خواہ چرند ہوں یا پرند خواہ انسان ہوں یا ملائکہ سب کے سب اطاعت گزاری میں لگے ہوئے ہیں۔ اطاعت تو

کسی کے احکامات کی ہوتی ہے۔ یعنی کائنات کی ہر مخلوق اللہ کے حکم کی اطاعت کر رہی ہے۔ دیکھ لیجئے کہ کائنات میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج نے طلوع ہونے سے منع کردیا ہو۔ بکری نے دودھ دینے سے انکار کردیا ہو۔ درختوں نے پھل دینے سے منع کیا ہو۔ اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ کائنات کے ذرے سے لیکر پہاڑوں تک چھوٹی سے چھوٹی مخلوق سے لیکر بڑی سے بڑی مخلوق تک سب کے سب اللہ کے قوانین میں جکڑے ہوئے ہیں۔ وہ اس کے خلاف نہیں کھڑے ہوتے وہ وہی کررہے ہیں جس کا ان کو حکم ہوا ہے۔ یہی سجدہ ہے۔

آیئے آپ کو ایک اور مقام دکھاتے ہیں۔ سورہ الحج کی آیت نمبر 18 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

" اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ"

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے لئے سجدہ ریز ہے جو کوئی بھی آسمان و زمین میں ہے خواہ وہ سورج ہو یا چاند یا ستارے، پہاڑ ہوں یا درخت، کوئی جاندار ہو یا اکثر لوگ"

اس میں بھی وہی بات ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ کائنات کی ہر شے اللہ کے لئے سجدہ ریز ہے۔ اگر تو یہ سجدہ ایک رسماً سجدہ ہے تو ہم تو کسی بھی شے کو نہیں دیکھ رہے کہ وہ اللہ کے لئے کبھی رسماً سجدہ بھی کرتا ہے۔ ہاں یہ ضرور دیکھ رہے ہیں کہ کائنات کا ہر ذرہ کسی نہ کسی قانون کے تحت اپنے کام پر لگا ہوا ہے یہی کائنات کی اشیاء کا سجدہ ہے۔ اور یہی سجدہ ہمارا بھی ہے اور ہونا چاہیے کہ اللہ کے ہر حکم پر سجدہ ریز ہو جائیں وحی الٰہی کو مقصود بنائیں یعنی اس کے ہر حکم پر عمل پیرا ہو جانے کا نام سجدہ ہے۔

دیکھئے اس آیت میں انسانوں کی ایک کثیر تعداد کو کہا گیا کہ وہ بھی سجدہ ریز ہیں۔ لیکن ہم انسانوں کی اکثریت کو اُس رسم یا علامتی اظہار کے ذریعے جو مسلمانوں میں رائج ہے۔ سجدہ کرتے نہیں دیکھ رہے بلکہ انسانوں کو کسی نہ کسی قانون قدرت کے ذریعے پیدائش سے لیکر موت تک جکڑے ہوئے ضرور پا رہے ہیں۔ اسی قانون الٰہی کے لئے اپنے آپ کو اختیاری طور پر حوالے کر دینے کا نام سجدہ ہے۔

قبلہ

حقیقت صلوٰۃ کا موضوع تشنہ رہے گا اگر قبلہ سے متعلق آیات پر بھی غور نہ کر لیا جائے۔ سورۃ البقرہ کی آیات 145 اور 146 ملاحظہ فرمایئے جس میں قبلے کی تعریف بیان ہوئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے.....

" وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ o اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ o"

"اور اگر تم ان لوگوں کے پاس جن کو کتاب دی گئی ہے تمام آیات بھی لے آؤ تو بھی وہ تمہارے قبلے کی اتباع نہیں کریں گے اور نہ ہی تم ان کے قبلے کی اتباع کرنے والے ہو حتی کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے قبلے کی اتباع کرنے والے نہیں ہیں۔ اور اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے باوجود کہ تمہارے پاس وحی الٰہی آچکی پھر تو تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ کہ جن کو ہم نے الکتاب دی ہے وہ اس قبلے کو ایسے ہی جانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا ایک گروہ اس حق کو چھپاتا ہے باوجود اس کے کہ ان کو اس کا علم ہے"

ان آیات سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱) وہ لوگ جن کو الکتاب دی گئی وہ تمہارے قبلے کی اتباع نہیں کریں گے یعنی قبلے کی اتباع ہوتی ہے۔

۲) تم ان کے قبلے کی اتباع نہیں کرنے والے یعنی اہل کتاب کا بھی قبلہ تھا جس کی وہ اتباع کرتے تھے۔

۳) ان کے آپس میں بھی قبلے الگ الگ تھے اور وہ ایک دوسرے کے قبلے کی اتباع نہیں کر رہے تھے۔

یہاں رک کر ذرا غور کیجئے کہ وہ کون سی چیز ہے جس کی ہم اتباع کریں گے۔ اور جس کو ہم ہمیشہ اپنے سامنے یعنی مقابل رکھیں گے۔ جسے ہم اپنے لئے قابل اتباع بنائیں گے جسے نہ صرف وہ لوگ بھی جانتے تھے جن کو اہل کتاب کہا گیا بلکہ دنیا کا ہر شخص جانتا ہے کہ اتباع کس چیز کی کیجاتی ہے؟

دیکھئے پہلی بات کہ اتباع احکامات کی کیجاتی ہے کسی اینٹ پتھر کے گھر کی نہیں۔ دین میں ہر انسان کو معلوم ہے کہ اتباع احکامات الٰہی کی کی جاتی ہے۔ احکامات الٰہی وہ اقدار ہیں جو انسانیت کے حقوق کی بات کرتے ہیں یہ امن و سلامتی کے اقدار ہوتے ہیں اگر ان احکامات و اقدار کو پامال کیا جائے تو انسانیت پر ظلم ہوتا ہے۔ اسی لئے احکامات الٰہی میں انسانی احکامات کا اشتراک ظلم عظیم قرار دیا گیا اور رسالتماب سے بھی فرمایا گیا کہ اب العلم آنے کے بعد اگر تم نے ان کی خواہشات یعنی انکے قبلے کی اتباع کی تو تم بھی ان کی طرح ظالم ہو جاؤ گے۔

دوسری بات کہ دوسرے لوگ بھی اپنے قبلے کی اتباع کرتے تھے اور ان کا بھی صرف ایک ہی قبلہ نہیں تھا بلکہ کئی قبلے تھے۔ ہر ایک اپنے قبلے کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ہر شخص نے اپنا اپنا مذہب بنایا ہوا تھا۔ جس پر وہ چل رہا تھا جو ہر وقت اس کے سامنے رہتا تھا اور وہ لوگ ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی نہیں کرتے تھے۔۔۔۔

سب وضاحتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ قبلہ کوئی اینٹ پتھر کا گھر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ نظریہ ہوتا ہے جس پر انسان چلتا ہے۔

دیکھئے اگر تو ان آیات میں یہود کی بات ہو رہی ہو تو ایک لمحہ کے لئے بفرض محال مان بھی لیتے ہیں کہ یہود کا قبلہ ہیکل سلیمانی تھا لیکن پھر سوال اٹھے گا کہ عیسائیت کا کون سا قبلہ ہے؟

دیکھئے نہ تو یہاں بات ہیکل سلیمانی کی ہو رہی ہے نہ ہی کعبہ کی۔ یہاں بات ہو رہی ہے ان تعلیمات کی جن پر ہر انسان چلتا ہے اور ہر انسان نے اپنی تعلیمات کو ہی قبلہ یعنی ہر وقت سامنے (مقابل) رہنے کی چیز بنایا ہوا ہے حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ کس کی تعلیمات اور اقدار کہاں تک خالص الٰہی ہیں اور ان میں کتنی ان کی اپنی تعلیمات کی ملاوٹ ہے۔ ہم دوسروں کو کیوں کہیں خود اپنی تعلیمات کو دیکھ لیں کہ اس میں کتنی قرآن کی اقدار ہیں اور کتنی ہماری ملاوٹ ہے۔

سورۃ یونس کی آیت نمبر 87 کا حوالہ بھی یہاں انتہائی موزوں رہے گا کیونکہ اس سورۃ میں سیدنا موسیٰ کو حکم ہوا ہے۔ کہ وہ اپنے گھروں کو قبلہ بنائیں ملاحظہ فرمایئے.....

"وَ اَوۡ حَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰی وَ اَخِیۡہِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِکُمَا بِمِصۡرَ بُیُوۡتًا وَّ اجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً وَّ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝"

"اور ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ ٹھہراؤ اور صلوٰۃ قائم کرو اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو۔"

دیکھئے سورۃ یونس کی ان آیات میں موسیٰ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ مصر میں بیوت یعنی گھر بنائیں۔ اول تو یہ بات کہ کیا مصری گھروں میں نہیں رہ رہے تھے؟ جو کہا گیا

کہ مصر میں گھر بنائیں یقیناً وہ گھروں میں ہی رہ رہے تھے۔

دوسری بات گھر کے لئے پھر وہی لفظ بیت کی جمع بیوت آیا ہے جو سیدنا ابراہیم کے حوالے سے ہم پہلے ہی زیر مطالعہ لا چکے ہیں یہ رہنے والے گھر نہیں تھے بلکہ یہ نظریاتی بنیاد پر بنائے گئے ادارے تھے جن کے لئے کہا گیا کہ ہر گھر اپنی جگہ ایک قبلہ بن جائے یعنی ہر گھر اپنے سامنے ایک ہی مقصد و منزل متعین کرلے جس کی حیثیت قبلے کی ہو یعنی تعلیمات الٰہی کا مینار ہو وہاں سے احکامات الٰہی کا نور پھوٹے ہمارے مفسرین اور مترجمین جب اس جگہ پھنسے تو غلط ترجمہ کرنے سے بھی گریز نہ کیا اور ترجمہ کیا کہ تمام گھر قبلہ رخ بناؤ حالانکہ ان کو بہت خوب معلوم تھا کہ اس آیت میں ''بیوت مفعول بہٖ'' ہے یعنی وہ مفعول جس پر فاعل کے فعل کا اثر واقع ہوتا ہے اور ''قبلۃ'' ''مفعول ذوالحال'' ہے یعنی مفعول جو اس آیت میں لفظ بیوت ہے اس کا حال یعنی کیفیت بتا رہا ہے۔ اور بالکل سادہ سا ترجمہ ہے کہ ''اپنی قوم کے لئے مصر میں بیوت یعنی نظریاتی ادارے تشکیل دو اور ہر ادارے کا حال یہ ہو کہ وہ لوگوں کے لئے قبلے کا کام کرے''

لیکن اس ترجمے سے تو بہت سارے قبلے بن جاتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت کے ہاتھوں سے ایک قبلے کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور پھر تو ہر گھر ایک قبلے کی حیثیت اختیار کر جائے گا خواہ وہ ادارہ ہو یا رہنے کا گھر۔

حقیقت درود

مروجہ اسلام میں درود کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن دوٹوک الفاظ میں جان لیجئے کہ درود کا لفظ پورے قرآن میں نہیں ملتا۔ جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا قرآنی اصطلاحات کو سب سے پہلے عجمی اصطلاحات سے بدلا گیا اور دوسرے مرحلے میں ان اصطلاحات کے وہ مفاہیم جو عجم میں رائج تھے خود بخود اسلام میں داخل ہوگئے۔ اس طرح نہ صرف قرآنی اصطلاحات کی جگہ عجمی اصطلاحات آگئیں بلکہ ان اصطلاحات کے معنی اور مفاہیم بھی بدل گئے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن اس عمل صلوٰۃ کے متعلق جسے درود سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیا کہتا ہے؟

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 52 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo"

"بے شک اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر عمل صلوٰۃ کرتے ہیں اے اہل ایمان تم بھی اس پر تسلیم و رضا کے ساتھ عمل صلوٰۃ کرو۔"

اس صلوٰۃ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اللہ اور ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اور درود کا مفہوم درود ابراہیمی لیا گیا جو مسلمانوں میں بہت مشہور ہے۔

سوال اٹھتا ہے کہ کیا اللہ تبارک و تعالیٰ بھی یہ درود ابراہیمی پڑھتے ہیں؟ جس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ تو پھر سوال ہوگا کہ جس عمل صلوٰۃ کو اللہ نے نبی پر کیا، وہ کیا ہے؟ درود ابراہیمی کے الفاظ پر ایک اعتراض یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک

وتعالیٰ تو ہم کو درود بھیجنے کا حکم دے رہے ہیں اور ہم پلٹ کر اللہ ہی سے کہہ رہے ہیں......" اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَی النَّبِی"" اے اللہ درود بھیجنے کا کام آپ ہی کرتے رہیئے"
اس کو ایک چھوٹی سی مثال سے یوں سمجھئے کہ آپ اپنے ماتحت سے کہتے ہیں کہ یہ میرے دوست بیٹھے ہیں انہیں پانی لا دو اور وہ پلٹ کر کہے" جناب عالی مرتبت آپ خود ہی ان کو پانی پلانے کا کام کریئے" تو آپ کیا محسوس کریں گے۔
بالکل اسی طرح جب اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو یہ حکم دے رہے ہوں کہ اے مسلمانوں تم اپنے رسول پر درود بھیجو اور ہم پلٹ کر کہیں "**الھم صل علی محمد**" "اے اللہ آپ ہی محمد پر درود بھیجیں" تو اللہ کا ردعمل ہمارے خلاف کیا ہونا چاہیئے۔
دوسری بات کیا رسول اللہ بھی اپنی نماز میں یہی درود پڑھتے تھے؟ اور اگر پڑھتے تھے تو اللہ سے کس نبی کے لئے کہا کرتے تھے کہ اے اللہ آپ نبی پر درود پڑھیں۔
اب آیئے ان قرآنی آیات کی طرف جن سے رسول پر عمل صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہوتا ہے سورۃ احزاب کی آیت نمبر 43 میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں......

"هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ"

"اللہ اور اس کے ملائکہ تم لوگوں پر عمل صلوٰۃ کرتے ہیں تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائیں"

یعنی اللہ تعالیٰ صلوٰۃ کا عمل عام لوگوں پر بھی فرماتے ہیں اور اس عمل سے ایک نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ ان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لایا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے اس صلوٰۃ کے حقدار کون سے لوگ ہیں؟ کیا یہ سب لوگوں کے لئے عام ہے یا کسی خاص طبقہ پر اس رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کون سی خوبی ہے جو اللہ کی اس نوازش کا ہمیں حقدار بناتی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے......

" وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَ مْوَالِ وَالْاَ نْفُسِ وَالثَّمرٰت وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَا آصَا بَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ" قَالُوْ اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ o"

''ہم تم لوگوں کو نشوونما کے اظہار کے مواقع خوف اور بھوک اور مال و جان اور رزق کی کمی سے فراہم کرتے ہیں۔ تو استقامت سے کھڑے رہنے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔ یہ استقامت والے وہ لوگ ہیں جو مصیبت کے وقت بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا ہے اور ہم ہر معاملہ میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جو اللہ کی صلوٰۃ یعنی رحمت کے حقدار ہوتے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ تو ہدایت یافتہ لوگ ہیں'' (سورۃ البقرہ آیت نمبر157-155)

ان لوگوں کے متعلق ہی سورۃ احزاب کی زیر بحث آیت نمبر43 میں ارشاد ہوا کہ یہی لوگ نور کی طرف آتے ہیں۔

مندرجہ بالا تجزیہ سے جو نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں وہ یہ کہ.....

۱) اللہ کی صلوٰۃ نہ صرف نبی پر بلکہ عام اہل ایمان پر بھی ہوتی ہے۔

۲) ان لوگوں میں ایک خوبی پائی جاتی ہے کہ یہ اپنے آپ کو ہر حال میں اللہ کے قوانین کے تابع رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اللہ کی صلوٰۃ کے حقدار قرار پاتے ہیں۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ قرآن نے اندھیروں سے نکالنے اور نور کی طرف لانے کے لئے کیا طریقہ بتایا ہے تاکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ عملاً اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف کس طرح لایا جاسکتا ہے۔ سورۃ ابراہیم کی پہلی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"کِتٰبٌ" اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّا سَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ o"

"ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس کے ذریعہ تم انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاؤ"

سورۃ ابراہیم کی اس آیت سے اللہ کا وہ طریقہ کار بھی معلوم ہو گیا جس کے ذریعے وہ انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتے ہیں۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے جو اللہ کے خاص بندوں کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی کتاب کے حوالے کر دیتے ہیں اور اللہ کی کتاب ہی وہ واحد ذریعہ نجات ہے جس کے ذریعہ نہ صرف مسلمان بلکہ انسانیت تمام تر ذلت و خواری سے نکل کر سرخرو ہوسکتی ہے اور ایک مثالی معاشرہ کا قیام عمل میں آسکتا ہے جہاں کوئی فرعون، کوئی قارون اور کوئی ہاماں نہ ہوگا۔

سورۃ الاحزاب کی زیر بحث آیت نمبر 56 پر اگر ہم غور کریں تو ایک حقیقت اور آشکارا ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ نے نبی پر عمل صلوٰۃ کو "تسلیما" کی شرط کیساتھ مشروط کیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو مکمل طور پر اپنے آپ کو رسول کی تحویل میں دینا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی پر تمام تر رحمتیں تو نازل کرتے ہیں لیکن اپنی ذات کو نبی کے حوالے نہیں کرتے اسی لئے اپنے آپ کو پوری طرح حوالے کرنے کی شرط صرف مسلمانوں کے لئے لگائی گئی ہے۔

اب آپ سوچئے کہ اگر تو مومنین کا اپنے نبی پر عمل صلوٰۃ صرف درود کا پڑھ لینا ہی تھا تو اپنے آپ کو مکمل طور پر نبی کے حوالے کرنے کی شرط کیا معنی رکھتی ہے؟ کوئی انسان اپنے آپ کو کسی کے حوالے اسی وقت کرتا ہے جب وہ دوسرے انسان کے موقف یا مشن سے پوری طرح ہم آہنگ ہوتا ہے۔ اور رسالتماب کا مشن کتاب اللہ کی حاکمیت تھا تاکہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جاسکے جہاں کسی قسم کے اندھیرے نہ ہوں۔ اس لئے مومنین کا رسالتماب کے لئے عمل صلوٰۃ کرنا اور اپنے آپ کو

رسالتماب کے حوالے کرنا اصلاً کتاب اللہ کے ماتحت ہو کر رسالتماب کا دست و بازو بننا ہے تاکہ ان کے مشن کو کامیاب بنایا جاسکے اور دنیا سے ہر قسم کے جبر و استبداد کو دور کرکے ہر انسان کو خوف وحزن سے پاک زندگی گزارنے کا موقع ملے۔

رسالتماب کے جانے کے بعد کتاب اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے کا فریضہ اب مومنوں کے کندھے پر ہے یعنی مسلمان قرآنی احکامات کی بنیاد پر ایک مثالی معاشرہ کے قیام کی جدوجہد میں ہمہ وقت اور ہمہ جہت لگے رہیں گے۔ قرآن سے یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ صلوٰۃ کے معنی کتاب اللہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے اپنے آپ کو ایک مثالی معاشرہ کے قیام کے لئے ہمہ وقت اور ہمہ جہت وقف کر دینا ہے، بقیہ تمام مقامات خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔ اور کسی انسانی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ان کہانی قصوں کے تحت ان مفاہیم کی نفی بھی ہو جائے جن کا نفس مضمون یعنی درود سے تو تعلق نہیں لیکن دوسرے مقامات پر صلوٰۃ کے حوالے سے آگئیں ہیں اس لئے مختصر طور پر ان مقامات کا بھی قرآن ہی کی آیات کے حوالوں سے جائزہ لیتے ہیں۔

نبی کی صلوٰۃ مومنوں پر

مومن کے لئے نبی کی صلوٰۃ قران میں دو حوالوں سے مذکور ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 103 میں رسالتماب سے ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

" خُذ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝"

"اے رسول آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول کریں تاکہ آپ اس کے ذریعہ ان کی تطہیر اور تزکیہ کریں اور ان پر عمل صلوٰۃ کریں۔ بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لئے باعث تسکین ہے"

اس آیت میں رسالتماب کو ایک حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ صدقات وصول کیجئے اور اس کے ذریعے معاشرہ کے لوگوں کی جسمانی اور روحانی تطہیر اور تزکیہ ہوگا یعنی ان کی نشوونما کا باعث بنے گا۔

" وصل علیھم" میں 'و' اگر بیانیہ لیں تو تطہیر اور تزکیے کا عمل ہی صلوٰۃ ہے اور اگر 'و' عطف لیں تو ایسے عمل کی طرف نشاندہی کر رہا ہے جس کے نتیجے میں لوگوں کو تسکین حاصل ہوگی۔ یعنی رسالتماب جو صدقات لیتے تھے تو ان کے اس عمل کی قدر شناسی اور تصدیق فرماتے تھے جو لوگوں کے لئے حوصلہ افزائی کا باعث ہوتا تھا اب رسالتماب کے بعد اسلامی ریاست کا فریضہ ہے کہ وہ صدقات وصول کرے اور اس کے بدلے میں ریاست کے لوگوں کی بنیادی ضرورت کو پورا کرے جس کا ذکر سورۃ توبہ کی آیت نمبر 60 میں مذکور ہے۔ (ضمنی طور پر آپ ان آیات کے حوالے سے یہ بھی دیکھ لیجئے کہ صدقہ کوئی گری پڑی چیز نہیں ہوتا جیسے کہ ہم نے اسے بنا رکھا ہے کہ اپنے اہل وعیال کی صحت یابی اور کامیابی کے لئے جو غریب غرباء کو دے کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم نے اتنا صدقہ دیا اور بزعم خویش بہت خوش ہوتے ہیں کہ بہت بڑا تیر مارا ہے) اس سے اندازہ کیجئے کہ اصطلاحات کے مفاہیم جب بدل جائیں تو مقاصد بھی خود بخود بدل جاتے ہیں۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 84 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖۤ"

"اگر منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس پر کبھی عمل صلوٰۃ نہ کریں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں"

اس آیت میں ایک لفظ قبر آیا ہے جس کی وجہ سے کسی کی قبر پر مروجہ طریقہ درود وسلام اور "تصل" سے مراد نماز جنازہ لی گئی ہے۔

گو قبر کے معنی وہ جگہ جہاں کوئی مردہ دفن کیا جائے بھی ہوتا ہے لیکن قبر کے صرف یہی معنی نہیں ہیں۔ قبر کے معنی علامہ رشید نعمانی نے لغات القرآن میں المفردات کے حوالے سے پوشیدہ رہنا اور قصر جہالت و ضلالت میں پڑے رہنا بیان کئے ہیں۔ کفار کی حالت یقیناً گمراہی و جہالت کی قبروں میں پڑے رہنے ہی کی تھی اسی لئے ان کے اعمال و افعال کی تائید کسی صورت نہیں کی جاسکتی۔ اسی لئے رسالتماب کو منع کیا گیا کہ کفار و منافقین میں اگر کوئی مرتا ہے تو تم اس کی تائید نہ کرنا۔ اب دیکھنے کی بات ہے کہ ''مات'' مرنے سے کیا مراد ہے۔ ''موت'' یقیناً جسمانی موت کے معنی میں بولی جاتی ہے لیکن کسی بھی شخص کو نہ صرف جسمانی موت آتی ہے بلکہ روحانی، علمی اور ضمیر کی موت بھی ہوتی ہے جس کے لئے خود قرآن نے 30/52 میں ایسے شخص کو مردہ کہا ہے جو دعوت کو نہ تو سنتا ہے بلکہ منہ پھیر کر چلا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ارشاد ربانی ہے.....

''فَاِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءِ اِذَا وَلَّوا مُدْبِرِیْنَ o''

''پس تم نہ تو مردہ کو سناتے ہو اور نہ ہی دعوت کے بہرے کو سناتے ہو ایسی حالت میں جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں''

اس آیت میں مردہ اس شخص کو کہا گیا ہے جو داعی کی دعوت کو سنتا ہی نہیں۔ اسلئے سورۃ التوبہ کی زیر مطالعہ آیت میں ''مات'' سے مراد جسمانی موت نہیں ہے اور حقیقتاً قرآن کا موضوع جسمانی موت ہے ہی نہیں بلکہ قرآن تو کفار اور منافقین اور مشرکین کی نظریاتی اور اخلاقی موت کی بات کرتا ہے۔ ان کے موقف و نظریہ کو انکی قبر سے تعبیر کرتا ہے۔ ''لاتقم علی قبرہ'' کا مطلب یہ نہیں کہ تم ان کی قبر پر نہ کھڑے ہونا بلکہ اسکا مطلب ہے کہ تم ان فرسودہ نظریات کو قابل تائید نہ سمجھنا۔ اور انکے موقف پر کوئی قدم ثبت نہ کرنا۔

مصلّین

لفظ مصلّین کے بنیادی مادہ کے حروف ''ص ل و'' ہیں اور یہ لفظ باب تفعیل سے اسم الفاعل ہے جس کا مطلب ہے ایک دوسرے پر ''صلوٰۃ'' کرنے والے۔ یہ اصطلاح قرآن میں تین آیات میں وارد ہوئی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تینوں آیات کو آپ کے سامنے پیش کرنے کے بعد ایک ساتھ غور کیا جائے تاکہ مصلین کا ہر پہلو سامنے آجائے سب سے پہلے تو سورۃ المعارج پیش خدمت ہے.....

۱) سورۃ المعارج آیت نمبر 22

یہ اصطلاح آیت نمبر 22 میں آئی ہے لیکن ہم آیت نمبر 19 سے پیش کریں گے تاکہ آیت سے پہلے جو مضمون آرہا ہے وہ بھی سامنے آجائے۔

"اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعاً o اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعاًo وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعاo اِلاَّالْمُصَلِّيْنَ o اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ o وَالَّذِيْنَ فِى اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ o وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ o وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ o اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍo وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ o اِلَّاعَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَ مٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَائِمُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ o اُولٰئِكَ فِى

جَنّٰتٍ مُکۡرَمُوۡنَ o"

"یقیناً انسان تھڑدلا بنایا گیا۔ جب اسے کوئی تکلیف چھوئے چیختا چلاتا ہے اور جب اسے خیر ملے تو اسے روکے رکھتا ہے لیکن مصلین ایسے نہیں ہوتے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی صلوٰۃ پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور اپنے مالوں میں ضرورت مندوں اور محرومین کا ایک حق جانتے ہیں جو یوم الدین کی تصدیق کرنے والے ہیں اور یہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں یقیناً ان کے رب کا عذاب امن والا نہیں ہے اور یہ لوگ مصلین ہوں یا ملک یمین ہوں اپنی فروج کی حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی ازواج پر تو یقیناً ایسے لوگ ملامت زدہ نہیں لیکن جو تلاش کرے اسکے باہر تو وہی حد سے گزرنے والے ہیں اور یہی لوگ وہ ہیں جو اپنی امانتوں کی رعایت کرنے والے ہیں اور اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں اور یہی لوگ اپنی صلوٰۃ پر محافظ ہیں اور یہ لوگ باعزت باغوں میں رہنے والے ہیں۔"

۲) سورۃ المدثر آیت نمبر43 میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ شخص جو مصلی نہیں ہے اس نے کیا نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا ہوا۔ آیت نمبر40 سے 47 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"کُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا کَسَبَتۡ رَهِیۡنَةٌ o اِلَّاۤ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ o فِیۡ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوۡنَ o عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ o مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ o قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ o وَ لَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ o وَ کُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ o وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ o حَتّٰۤی اَتٰىنَا الۡیَقِیۡنُ o"

"ہر شخص نے جو بھی کیا وہ رھن ہے سوائے یمن و سعادت والے لوگوں کے جو جنت میں پوچھیں گے مجرموں سے کہ تم کو کس چیز نے عذاب میں مبتلا کیا تو وہ جواب دیں گے ہم مصلین نہ تھے ہم نے کسی مسکین کے طعام کا انتظام نہ کیا اور یوم الدین کی تکذیب کرتے رہے یہاں تک کہ یقینی بات آ گئی"

۳) سورۃ الماعون آیت نمبر3

ہم پوری سورۃ پر غور کریں گے کیونکہ یہ سورۃ مصلین کے بارے میں ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

" اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ o فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ o وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ o فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ o الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ o اَلَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ o وَیَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ o

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کے طعام کا انتظام نہیں کرتا پس خرابی و بربادی ہے ایسے مصلین کی جو اپنی صلوٰۃ سے لاپرواہ ہیں یہ لوگ دکھاوا کرتے ہیں اور اس چیز کو روکتے ہیں جو کھلی رہنی چاہئے"

ان تینوں مقامات پر ذرا غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ تینوں مقامات پر مصلین کی تین مختلف کیفیات کا ذکر ہے۔ سورۃ المعارج میں مصلین کی خصوصیات کا ذکر ہے تو سورۃ المدثر میں مصلین نہ ہونے کی صورت میں عذاب اور سورۃ الماعون میں دکھاوے کے مصلین کی کیفیات کا ذکر ہے۔

سورۃ المعارج کی آیات 19 تا 23 میں مصلین کی خصوصیات بیان کی گئیں کہ یہ انسان تو انسان ہی تھا یعنی انس و محبت کا پتلا تھا لیکن اسے زمانے نے بہت ہی چھوٹے دل کا بنا دیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی بات گوش گزار کردوں کہ جہاں بھی ایسے مقامات آتے ہیں جہاں فعل مجہول لاکر کسی برائی کو اجاگر کیا جاتا ہے تو عموماً ہم اس برائی کو بھی اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کسی کو بھی کسی برائی کی طرف مائل نہیں کرتا ۔یہاں "خُلِقَ" یعنی "بنادیا گیا" میں بھی عموماً اللہ ہی کی طرف فعل منسوب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مجہول کے صیغہ میں فاعل نہیں ہوتا فاعل کو سیاق وسباق سے خود تلاش کرنا ہوتا ہے اس لئے یہاں خلق کی نسبت خود اس انسان کی اپنی

عادت خواہش اور زمانے کی روش ہے جس نے اس انسان کو جس کو خالق نے انس و محبت کی روش پر بنایا تھا جسے اللہ نے انتہائی نفیس طینت پر بنایا تھا اسے انتہائی بدطینت تھڑدلا بنا دیا۔ اور اس کی حالت یہ ہوگئی کہ اگر اسے کوئی تکلیف یا شر لاحق ہو تو چیختا چلاتا ہے اور اگر اسے کوئی خیر و اختیار ملے تو ہر نعمت کو روکے رکھنے والا بن جاتا ہے۔ لیکن مصلین ایسے نہیں ہوتے بلکہ اوپر کی روش کے برخلاف وہ اپنی صلوٰۃ پر قائم رہنے والے ہوتے ہیں۔

اب خود دیکھ لیجئے کہ ''صلوٰۃ'' ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جس میں انسان انسان رہتا ہے وہ محبت کا پتلا ہوتا ہے وہ اللہ کی خلق پر چلتا ہے اچھی طینت پر ہی رہتا ہے وہ تھڑدلا نہیں ہوتا وہ کسی تکلیف پر شور نہیں مچاتا اور اسے جب کبھی خیر و اختیار ملے وہ لوگوں کے لئے بھلائی کے کام میں لگ جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ یہ تمام منفی کام نہیں کرتا بلکہ اس کی نیک خصوصیات اس طرح بیان ہوئیں کہ وہ اپنے اس ضابطہ حیات پر جسے اللہ نے اسے عطا کیا ہے یعنی وحی الٰہی پر ہمیشہ عمل پیرا رہتا ہے۔

ایسے لوگ اپنے اموال میں ان لوگوں کے حقوق جانتے ہیں جو محروم اور ضرورت مند ہوتے ہیں اور یہ لوگ اپنے اعمال وافعال سے ان تمام احکامات کی تصدیق کرتے ہیں جسے دین کہا جاتا ہے اور ان غلط نتائج کے ظہور سے جو غلط کاموں کے کرنے سے عذاب کہلاتا ہے ڈرتے ہیں کیونکہ اس عذاب میں امن کی کیفیت نہیں ہوتی اور نہ صرف یہ مصلین بلکہ وہ جو ملک یمین ہیں اپنے فروج کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی ازواج کے، تو ان پر ملامت نہیں البتہ اس کے علاوہ حدود شکنی ہے یہ اپنے معاہدوں کی رعایت ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور اپنی شہادت پر یعنی شاہد ہونے کے فریضہ پر قائم رہتے ہیں۔ اور آخر میں پھر یہ کہہ کر کہ یہ اپنی صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں بتا دیا کہ صلوٰۃ کیا ہے یعنی صلوٰۃ احکامات الٰہی کی بنیادوں پر قائم ہوتی

ہے جس میں کوئی منفی پہلو نہیں ہوتا بلکہ تمام صفات مثبت ہوتی ہیں جن کے ذریعے وہ معاشرہ سے برائیاں دور کرتے ہیں اور اچھائیاں پھیلاتے ہیں جس کی وجہ سے ایک اصلاحی معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ جس میں اللہ کی نعمتوں کی فراوانی ہوتی ہے۔ ہر شخص کے لئے اللہ کی نعمتیں کھلی ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس جو مصلین نہیں ہوتے ان کے متعلق سورۃ المدثر میں فرمایا گیا کہ اصحاب الیمین یعنی وہ لوگ جو یمن و سعادت والے ہیں جن کے اخلاق و کردار بلند اور احکامات الٰہی کے مطابق ہیں جو اللہ کی نظر میں شرف و مجد والے ہوتے ہیں جن پر اللہ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے ایسے لوگ اس شخص سے جو مجرم ہیں پوچھتے ہیں کہ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے وہ اس عذاب میں مبتلا ہوگئے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم مصلین نہیں تھے ہم صلوٰۃ والے نہیں تھے اور خود ہی وضاحت کر دیتے ہیں ہم مسکین کو طعام نہیں کراتے تھے۔

دیکھئے یہ کتنی بڑی بات ہے کہ مسکین کے طعام نہ کرانے پر انسان عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے وہ مصلین میں سے نہیں رہتا وہ مجرم بن جاتا ہے۔ اصلاً مسکین صرف وہ مسکین نہیں ہوتا کہ جسے ہم مسکین کہتے ہیں۔ مسکین ہر وہ شخص ہے جو اپنے حق سے محروم کردیا گیا ہو اور جس کی ضرورت پوری نہ ہو رہی ہو۔

اور اگر کوئی معاشرہ ایسا ہو جس میں ہر شخص کا حق اسے مل جائے اور جہاں کوئی اپنی ضرورت کے لئے پریشان نہ ہو اس کی ضرورت سے پہلے اس کی ضرورت کی چیز مل جائے تو ایسا معاشرہ کے قائم کرنے والے مصلین ہیں۔

صلوٰۃ پر عمل پیرا نہ ہونے والے فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں ان کے اعمال ایسے ہوتے ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اصلاً یہ یوم الدین یعنی دین الٰہی کی تکذیب کرتے تھے یہ احکامات الٰہی کو جھٹلاتے رہے۔ اور اس وقت تک

جھٹلاتے رہے جب تک کہ وہ یقینی بات جس کا سورۃ کی ابتداء میں ذکر ہوا یعنی عذاب الٰہی نہ آجائے۔

آیئے اب سورۃ الماعون کا بھی مطالعہ کرلیں جس میں ان مصلین کی کیفیات بیان ہوئی ہیں جو احکامات الٰہی پر چلنا تو چاہتے ہیں لیکن بے دلی سے صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے۔

اس سورۃ میں ہر انسان سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور کیا جو ضابطہ الٰہی کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ شخص ہوسکتا ہے کہ منہ سے انکاری نہ ہولیکن اس کے اعمال بتا دیتے ہیں کہ یہ کون سا شخص ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور وہی بات جو سورۃ المدثر میں کہی گئی کہ یہ وہ شخص ہے جو مسکین کے طعام کا انتظام نہیں کرتا ہے۔

اور جیسے کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ مسکین ہر وہ شخص ہے جو اپنے حق سے محروم کردیا جائے اور ضرورت کے لئے مجبور ہو یعنی اس سورۃ میں صرف ایک بات ہی کہی گئی ہے کہ دین کی تکذیب صرف یتیم کو دھکے دینا اور مسکین کے طعام کا انتظام نہ کرنا ہے۔ یعنی دین نام ہے یتیم اور مساکین کے حقوق کی بحالی کا۔

دین صلوٰۃ ہے نماز نہیں۔ دین ایک ضابطہ حیات ہے عبادت نہیں۔ دین میں لوگ دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ انتہائی مضبوط بنیاد پر یعنی احکامات الٰہی کی بنیاد پرایک ایسا معاشرہ قائم کرتے ہیں جہاں کسی کا حق نہیں چھینا جاتا جہاں کوئی اپنی ضرورت کیلئے کسی کے آگے ذلیل و خوار نہیں ہوتا کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ جہاں ہر شخص ایک دوسرے کا خیال رکھتا ہے جہاں کوئی دکھاوے کے لئے کام نہیں کرتا اور اللہ کی نعمتوں کو صرف اپنے تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اسے تمام مخلوق کے لئے کھلا رہتا ہے۔

مصلّی

اسم المفعول /اسم ظرف

باب تفعیل سے اسم ظرف اور اسم المفعول دونوں کا وزن ایک ہی "مُفَعَّل" کے وزن پر ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ مصلی کے معنی اسم ظرف یعنی جگہ کے لئے جائیں یا مصلی کے معنی اسم المفعول یعنی وہ چیز جس کی پیروی کی جائے لئے جائیں دونوں ہی صحیح ہوں گے۔ اس لئے اب دیکھنا یہ ہوگا کہ قرآن کے موضوع کے لحاظ سے کون سے معنی صحیح ہوں گے۔

آیئے سب سے پہلے تو یہ جان لیں کہ اگر اسم ظرف لیں تو معنی کیا ہوں گے اسم ظرف کے معنی ہوتے ہیں کسی عمل کا وقت یا جگہ جیسے مغرب کے معنی ہیں وہ جگہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے یا وہ وقت جب سورج غروب ہوتا ہے۔ اس لئے لفظ مصلی کے معنی ہوں گے وہ جگہ جہاں کسی کی پیروی کی جائے یا وہ وقت جب کسی کی پیروی کی جائے کیونکہ "صلوٰۃ" کا مفہوم نماز لیا گیا ہے اس لئے مصلی کے معنی وہ جگہ جہاں نماز پڑھی جائے کیا جاتا ہے۔

لیکن اگر اسم المفعول لیا جائے تو معنی ہوں گے وہ تعلیم یا لائحہ عمل جس کی پیروی کی جائے اور یقیناً یہ ایک مسلم کے لئے احکامات الٰہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس لفظ کو بطور اسم المفعول لینے کے بہت سارے جواز اسی سورۃ البقرہ میں موجود ہیں آیئے مطالعہ کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو دیکھئے کہ سورۃ البقرہ کی ابتداء سے پہلے سورۃ الفاتحہ میں انسان

کا اعلان و اعتراف نقل کیا گیا ہے کہ ہم نے اللہ کی حاکمیت کا اعتراف کرکے یہ جان لیا کہ رب صرف اللہ ہی ہے اور اسی کی ربوبیت پوری کائنات میں جاری و ساری ہے اور رحمت بھی ایسی جو انتہا کو پہنچی ہوئی اور لگاتار ہر نعمت میں نظر آنے والی ہو تو پھر کون سی چیز ہمیں روک سکتی ہے کہ ہم اسی سے مدد طلب نہ کریں اسی کو اپنا مربی نہ مانیں اسی کے حکم پر عمل پیرا نہ ہوں اور اسی سے صحیح راستے کی ہدایت نہ مانگیں جس پر چلنے سے صرف نعمتیں ہی نعمتیں حاصل ہوتی ہوں اور وہ ایسا راستہ نہیں جس پر چلنے سے اللہ کے غضب کے حقدار ہو جائیں یا غلط راستے پر چلنے لگیں۔

اس اعتراف کے بعد اللہ تبارک و تعالی ہمارے سامنے اپنی کتاب رکھ دیتے ہیں کہ لو یہ وہی کتاب ہے جس کی تم نے تمنا کی تھی یہ وہی راستہ ہے جس پر چلو گے تو نعمتیں حاصل ہوں گی یہی صحیح ہدایت ہے یہی کتاب متقی بناتی ہے یعنی اللہ کی تعلیمات سے بہرور کرتی ہے اور غلط کام کے غلط نتائج اور صحیح کام کے اچھے نتائج سے پیش آگاہ کرتی ہے بشرطیکہ ان احکامات الٰہی کے قائم کرنیوالے بنو اور جو اللہ نے نعمتیں تم کو عطا کی ہیں ان کو دوسروں کے لئے کھلا رکھو۔

ان بنیادی آیات کے بعد اللہ نے قرآن میں تین لوگوں کی فطرت کا ذکر کیا۔ کہ دنیا میں ایک صالح انسان ہوتے ہیں جو کامیاب و کامران ہوں گے دوسرے وہ لوگ جو انکاری ہوں گے ان کے لئے بڑا عذاب ہے اور تیسرے وہ لوگ ہیں جو نہ ادھر کے اور نہ اُدھر کے دھوکے باز جن کے لئے درد ناک عذاب ہے۔

چند بنیادی باتیں بتا کر اور انسانیت کے عروج و زوال کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی کوتاہیوں کا ذکر کیا گیا اور ان کے مختلف ادوار پر مبنی ان کی تاریخ بتائی گئی اور پھر ان کی تاریخ کا سب سے بڑا ستون سیدنا ابراہیم کی تاریخ سے مثبت انداز میں دعوت احکامات الٰہی کی ابتداء کی گئی اور سورۃ البقرہ کی آیات 124

اور 125 میں فرمایا گیا کہ......

" وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ o وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ o "

"یاد کرو میری نعمتوں کا وہ زمانہ کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے آزمایا چند احکامات کے ذریعے تو وہ ان میں کامیاب ہوا۔ اسکے رب نے فرمایا کہ میں تجھے انسانیت کے لئے امام یعنی لیڈر منتخب کرتا ہوں جس پر ابراہیم نے پوچھا اور میری ذریت کی بابت؟ کہا اس کے رب نے کہ میرا وعدہ ظالموں کیلئے نہیں۔ اور میری نعمتوں کا وہ زمانہ بھی یاد کرو کہ جب میں نے مرکزیت کو انسانیت کے لئے بار بار رجوع کرنے اور امن کا مقام بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے مقام کو وجہ پیروی بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ میرے بیت کو طائفیں، عاکفیں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنیوالوں کے لئے ہر گندگی سے پاک رکھو"

ان آیات میں چند الفاظ مطالعہ کے لئے ضروری ہیں ۔

۱) کلمت،	۲) البیت،	۳) مثابہ،	۴) امناً،
۵) مقام،	۶) طہارت،	۷) طائفیں،	۸) عکفیں،
۹) رکع،	۱۰) سجود		

کلمت...... کلمت بمعنی احکامات تمام مفسرین اور مترجمین نے لیا ہے اور یقیناً یہ احکامات الٰہی ہی ہیں جن پر چل کر سیدنا ابراہیم نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ قوم کی لیڈری کے لائق ہیں اس لئے انہیں اپنی قوم کی لیڈری عطا کی گئی۔

البیت ..... البیت کا لفظ ادارہ اور گھر کے معنی میں عام استعمال میں آتا ہے ادارہ کے لحاظ سے بیت المال بیت الحرام وغیرہ وغیرہ۔ انگریزی میں House of lords اور House of Commons مستعمل ہیں۔

ادارہ خواہ کسی عمارت میں ہو یا نہ ہو اصلاً کسی نظریہ کی تعلیم سے منسلک ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خود اپنی ذات میں ایک ادارہ ہے۔ اور دوسرے معنی یعنی گھر کہ جس میں رہا جائے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہاں اللہ اسے اپنے گھر کے معنوں میں کہ جس میں رہا جائے نہیں استعمال کر رہا اور نہ ہی کسی مسلم کا خیال ہے کہ البیت کے معنی اللہ کا کوئی ایسا گھر ہے جس میں اللہ دن بھر کے کام سے تھک ہار کر رات گزارنے آتا ہے۔ البیت سے اللہ کا وہ گھر مراد ہے جہاں سے اللہ کے احکامات جاری و ساری ہوں۔

مثابة..... اس کا مادہ ''ث و ب'' ہے جو پہلے بھی زیر مطالعہ آچکا ہے اور یہاں پر بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ''ث و ب'' کے مادہ سے بننے والے الفاظ میں لوٹنے کا مفہوم ہوتا ہے '' مثـابة'' اسم ظرف ہے جس کے معنی ہیں وہ جگہ جہاں لوٹا جائے، اس لئے اس کا مطلب ہوا کہ البیت وہ ادارہ ہے جہاں احکامات الٰہی کے لئے انسانیت کو بار بار لوٹنا پڑے گا۔

امناً ..... اس لفظ کا مادہ ''ا م ن'' ہے جس کا معنی بہت معروف ہے یعنی ''امن و سلامتی'' اَمْناً مفعول ذوالحال ہے یعنی البیت کی حالت امن و سلامتی کی ہوگی۔

آیئے اب البیت کی تمام صورتوں کو متعین کرتے ہیں.....

البیت اللہ کے احکامات کا ایسا ادارہ ہے جہاں انسانیت کو احکامات کے لئے بار بار لوٹنا ہوگا اور اس کی کیفیت امن کی ہوگی۔ یعنی یہ ادارہ انسانیت میں امن و سلامتی کا ضامن ہوگا۔ اگلا حکم ہے.....

" وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی "

''اور مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ''

اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ ابراہیم سے متعلق یہ حکم نماز کا ہے یا احکامات الٰہی کا۔ اس کے لئے سب سے پہلے لفظ ''مقام'' پر غور کرتے ہیں۔

مَّقَام...... لفظ ''مقام'' قرآن میں حرف میم پر زبر کے ساتھ بھی آیا ہے اور پیش کے ساتھ بھی۔ میم پر پیش کے ساتھ ہو تو '' مُقام'' کے معنی ہوتے ہیں جگہ جیسے کہا جاتا ہے مری ایک صحت افزا مُقام ہے۔

میم پر زبر کے ساتھ یعنی '' مَقام'' کے معنی ہوتے ہیں منصب خواہ وہ عقلی ہو یا عملی جیسے اچھے شخص کے لئے مثلاً علامہ اقبال کے لئے کہا جائے گا کہ وہ شاعری کے اعلیٰ مَقام پر تھے یا قائداعظم کے لئے کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں قائداعظم کو اعلیٰ مَقام حاصل ہے۔

یعنی اگر جگہ کے لئے بولا جائے گا تو مُقام کی پہلی میم پر پیش ہوگی لیکن اگر کسی منصب کے لئے بولا جائے گا تو مَقام کی پہلی میم پر زبر ہوگی۔

آیئے قرآن کے حوالے سے بھی دیکھتے ہیں کہ کیا یہ بات صحیح ہے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 66 میں جہنم کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے......

''سَآءَ تْ مُسْتَقَراً وَّمُقَاماً''

''بری جگہ ہے مستقر اور مُقام کیلئے''

جنت کے لئے اسی سورۃ کی آیت نمبر 76 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے......

''حَسُنَتْ مُسْتَقَراً وَّمُقَاماً''

''انتہائی حسین جگہ بطور مستقر و مقام''

کیونکہ یہاں جنت و جہنم کی بات ہو رہی ہے جو کہ ایک جگہ ہے اس لیے مُقام

کی پہلی میم پر پیش آئی ہے۔

اسی طرح سورۃ الاحزاب میں آیت نمبر 13 میں منافقین اہل یثرب سے کہتے ہیں.....

"یٰٓاَھْلَ یَثْرِبَ لَامُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا"

"اے اہل یثرب تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے پس لوٹ جاؤ"

اب دیکھتے ہیں کہ قرآن میں مَقام کا لفظ پہلی میم کی زبر کے ساتھ کس معنی میں آیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 79 میں رسالتماب کو کچھ احکامات دینے کے بعد ارشاد ہوا.....

" عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً "

"بہت ممکن ہے کہ تمہارا رب تم کو مقام محمود پر فائز کرے"

دیکھ لیجئے کہ رسالتماب کو مقام محمود کے منصب کی خوشخبری ہے اور کیونکہ یہ کسی جگہ کی بات نہیں ہے بلکہ ایک منصب کی بات ہے اس لئے لفظ "مَقام" کی پہلی میم پر زبر ہے.....

اسی طرح سورۃ البقرہ کی زیر مطالعہ آیت میں "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی" میں لفظ مقام کی پہلی میم پر زبر ہے جو ان کے اسی مقام پر دلالت کرتا ہے جس کو آیت نمبر 124 میں "اماماً" کہا ہے۔

اب جہاں تک تو لفظ مصلی کی بحث ہے بات واضح ہوگئی کہ سیدنا ابراہیم کا جو منصب امامت تھا اس کی پیروی کی جائے جس کیلئے پورے قرآن میں جگہ جگہ آیات موجود ہیں ایک آیت بطور دلیل آپ کے لئے پیش کئے دیتے ہیں۔

"وَقَالُوا کُوْنُوْا ھُوْداً اَوْنَصٰرٰی تَھْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفاً ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ"

''اور لوگ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی کہو حقیقت یہ ہے کہ دین ابراہیم یک رنگی ہے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا''

دیکھئے دین ابراہیم کی اتباع کا حکم نہ صرف مومنوں کو بلکہ رسالتماب کو بھی دیا جا رہا ہے۔ اور اس آیت کا مفہوم واضح ہے کہ منصب ابراہیمی کی پیروی کی جائے اس کے نقش قدم پر چلا جائے۔ اسی آیت کے دوسرے حصے میں طہارت، طائفین، عاکفین اور رکع السجود کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور کیونکہ یہاں سے نماز کیلئے رکوع اور سجدہ کا جواز نکالا جاتا ہے اس لئے ان الفاظ پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔

طہـــارت ..... لفظ طہارت کے معنی ہیں کسی بھی عیب سے پاک ہونا اس لئے اگر تو یہ احکامات الٰہی کے برخلاف انسانی احکامات کی آمیزش سے پاک صاف ہونا ہے تو تمام دنیاوی انسانی احکامات اور اجتہادات سے پاک صاف ہونے کے معنی میں ہے۔

لیکن اگر اس کے معنی ہیں جھاڑو سے صفائی تو ظاہر ہے مادی زندگی میں جو گندگی لگتی ہے اس سے صفائی کے معنی میں ہے اور افسوس کے ہمارے مفسرین نے جھاڑو کی صفائی کو اہمیت دی ہے۔

طـــائـفین ..... طائفین طائف کی جمع ہے جو اسم الفاعل ہے اور ''ط و ف'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں بار بار آنا جانا اسی مادہ سے لفظ ''طائفہ'' بھی ہے۔ طائفین کی تعریف قرآن نے سورۃ التوبہ میں آیت نمبر122 میں یوں کی ہے.....

''وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ○''

''یہ مومنین کیلئے ممکن نہ تھا کہ سب کے سب نکلتے تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان میں سے ہر فرقے سے ایک جماعت نکلتی تاکہ وہ دین کے معاملے میں غور کرتے اور

اپنی قوم کو واپس آنے پر پیش آگاہ کرتے تاکہ ان کی قوم کے لوگ بھی ہوشیار ہوتے"

دیکھئے طائفین وہ ہوتے ہیں جو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لئے نکلتے ہیں اور احکامات الٰہی سے بہرور ہونے کے بعد اپنے معاشرے کو بھی وحی الٰہی کے ذریعے آگاہ کرتے ہیں کہ وہ لوگ بھی ان احکامات کے ذریعے صحیح راستے کی طرف لوٹ آئیں۔

عٰکفین..... عاکفین عاکف کی جمع ہے۔ اسم الفاعل ہے اور مادہ "ع ک ف" ہے جس کے معنی ہیں دھرنا مارنا کسی بات پر غور و خوض کرنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچنا۔

رکع..... یہ لفظ راکع کی جمع ہے راکع اسم الفاعل ہے اور مادہ "رک ع" سے مشتق ہے جس میں بنیادی طور پر انابت کا پہلو موجود ہوتا ہے یعنی کسی کے موقف سے ہم آہنگی اختیار کرنا کسی کے مؤقف پر آمادگی کا اظہار کرنا اسی لئے جب کسی کے آگے کوئی شخص جھکتا ہے تو اس کے مؤقف سے وہ ہم خیال ہونے، ہم آہنگ ہونے اور آمادہ ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح رکوع کے معنی جھکنا بھی ہوتے ہیں۔

سجود..... یہ لفظ ساجد کی جمع ہے۔ ساجد بھی اسم فاعل ہے اور مادہ "س ج د" سے مشتق ہے۔ سجدہ پر مفصل بحث سجدہ کے عنوان کے تحت ہوگی یہاں صرف بنیادی معنی بتائے دیتے ہیں۔ سجدہ کے معنی ہوتے ہیں کسی کے حکم پر عمل پیرا ہونا کسی کے آگے سرنگوں ہونا۔ یعنی جس مؤقف سے آمادگی اور ہم آہنگی کا اظہار کیا تھا اب اس پر عمل پیرا ہونا۔ اس کے لئے اپنے آپ کو لگا دینا۔

یہ موضوع مکمل نہ ہوگا اگر کہ ہم سورۃ الحج کی آیت نمبر 26 نہ پیش کریں کیونکہ وہاں بھی یہی حکم مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے.....

" وَاِذْ بَوَّانَا لِاِ بْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَا تُشْرِكْ بِیْ شَيْئاً وَ طَهِّرْ بَيْتِیَ لِطَّائِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدَ"

"اور جب ہم نے ابراہیم کو عطا کیا اپنے ادارے کا تمکن کہ تو ہمارے ساتھ کوئی اشتراک نہ کرنا اور ہماری تعلیم حاصل کرنے اور تعلیم پر کھڑے ہونے والوں کے لئے ہماری تعلیمات کو ہر آلائش سے پاک صاف رکھنا اور ان لوگوں کے لئے بھی جو اس موقف سے ہم آہنگ ہوں اور اس کے لئے روبہ عمل ہو جائیں۔"

سورۃ الحج کی اس آیت میں چند باتیں غور طلب ہیں۔

۱) ابراہیم کو ٹھکانا دینے سے کیا مراد ہے؟

۲) مکان البیت کیا ہے؟

۳) اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے؟

۴) میرے البیت کو مطہر رکھنا سے کیا مراد ہے؟

۵) سورۃ البقرہ میں عاکفین آیا ہے لیکن سورۃ الحج کی اس آیت میں عاکفین کی جگہ قائمین آیا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

بوانا لابراھیم ......ابراہیم کو ٹھکانا دیا۔"بوانا" کا مادہ "ب و ء" ہے جسکا مطلب ہوتا ہے ایسا ٹھکانا جس میں کسی قسم کی پریشانی لاحق نہ ہو۔ جس میں ہر قسم کی آسودگی میسر ہو جہاں انسان خود اپنی مرضی کا مالک ہو۔ جہاں وہ خود سیاہ و سفیدہ کا مالک ہو۔ یعنی ابراہیم کو ایسی جگہ ملی جہاں وہ تمام اعمال کے خود مختار تھے اور ہر آلائش سے پاک اللہ کی نعمتوں سے مالا مال زندگی ان کو عطا کی گئی تھی۔ جس کے لئے سورۃ البقرہ میں کہا گیا "انی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً" "میں تم کو انسانیت کا امام بناتا ہوں"۔ ظاہر ہے انسانوں کا لیڈر حقیقتاً اسی وقت لیڈر ہوتا ہے جب جگہ کے لحاظ سے تمکن حاصل ہو۔ مرضی کے لحاظ سے اپنے احکام نافذ کرنے کا اختیار ہو اور

خوشحالی کے لحاظ سے اللہ کی تمام نعمتوں کا حصول ممکن ہو۔

مکان البیت......ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں کہ یہ اللہ کے احکامات کے حوالے سے اس نظریہ اور تعلیم کی بات ہے جو وحی الٰہی کے ذریعے انبیاء کو دی جاتی ہے اور جس کے ذریعے انسانیت کو تمکن حاصل ہوتا ہے۔

ان لاتشرک بی شیئاً......کہ تم میرے ساتھ شرک نہیں کرو گے۔ یہ جملہ ہمارے ذہنوں میں جتنا سادہ ہے اتنا سادہ ہے نہیں۔ ہم نے اس کو صرف بتوں کے شرک میں محدود کر دیا ہے ہمارے ذہنون میں صرف یہی بات ہے کہ بتوں کی پوجا شرک ہے جس کی وجہ سے ''شرک فی الحکم'' کو بھول گئے ہیں۔ سورۃ الکھف کی آیت نمبر 26 میں بیان کردہ شرک فی الحکم " **وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖ اَحَداً** ''کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

دیکھئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''اللہ میرا خالق نہیں ہے'' تو خالق کو کیا فرق پڑے گا۔ اس کی ذات کو کونسا نقصان ہوگا وہ تو غنی ہے جبکہ انسان خود خالقِ کائنات کے آگے مجبور و بے بس ہے۔ لیکن اگر اس کے احکامات میں ردو بدل کرتا ہے تو خالقِ کائنات کی مخلوق پر ظلم ہوتا ہے جس کے لئے اس نے خود کہا ''**ما یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ**'' ''میرے ہاں حکم نہیں بدلے جاتے کیونکہ میں اپنے بندوں کے لئے ظالم نہیں۔''

اللہ اپنا حکم نہیں بدلتا اس لئے کہ اس کے احکامات انتہائی موزوں اور اس کی مخلوق کے لئے عدل و انصاف پر مبنی ہیں کہ اگر اس میں تھوڑا سا بھی ردوبدل ہو تو کسی نہ کسی پر ظلم ہوگا۔ اس لئے قرآن نے جس شرک کی بات کی ہے وہ احکامات کا شرک ہے اور جن اصنام کی بات قرآن کرتا ہے یہ مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اسلاف و اکابر کے بت ہیں جنہیں ہم چھوڑتے نہیں۔ یہ ہمارے مذہبی ٹھیکیداروں کے بت ہیں

جنہیں ہم توڑتے نہیں۔ یہ ہمارے حکمرانوں کے بت ہیں کہ جن کے احکامات پر ہم چلتے ہیں۔ یعنی یہ وہی اصنام ہیں جن کے احکامات پر وحی الٰہی کے احکامات کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

اس لئے اگر ابراہیم نے شرک نہیں کیا تو اصلاً انہوں نے وحی الٰہی میں کسی قسم کا اشتراک نہیں کیا۔ کسی انسانی شریعت کا اشتراک نہیں کیا۔ کسی انسانی اجتہاد پر مبنی مذہب کو انسانی شریعت نہیں بنایا۔

اور تیسرا حکم "**ان طھر بیتی للطائفین و القائمین والرکع السجود**" کہ میری تعلیمات کو ہر انسانی فکر کی آلائش سے پاک صاف رکھو گے ان لوگوں کے لئے جو "**تفقہ فی الدین**" دین میں غور وحوض کرنے والے ہیں۔ **القائمین** اور ان لوگوں کے لئے جو وحی الٰہی پر کھڑے ہونے والے ہیں یعنی احکاماتِ الٰہی پر بغیر کسی انسانی احکامات کے اشتراک کے ڈٹ جانے والے۔ سورۃ البقرہ میں اسی کو عاکفین کہا یعنی وہ لوگ جو احکاماتِ الٰہی پر تدبر کرکے اپنے لائحہ عمل کا انتخاب کرتے ہیں۔ اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے یعنی وہ لوگ جو اس نظریہ اور اصولوں پر آمادگی کا اظہار کریں اور اس کے لئے ہر وقت روبہ عمل ہوں۔

اس لئے "مصلی" کے معنی نماز پڑھنے کی جگہ نہیں بلکہ وہ نظریہ جسکو ابراہیم نے سب سے مقدم رکھا اس کے پیچھے پیچھے چلنے اس کی اتباع کرنے اور اس پر استقامت سے کھڑے رہنے کو موقف نظریہ اور لائحہ عمل بنایا۔

چھوٹا منہ بڑی بات

چھوٹا منہ اس لئے کہ اسلاف و اکابر کے سامنے میری حیثیت کچھ نہیں۔ لیکن بڑی بات اس لئے کہ جو بات میں کہنے جا رہا ہوں وہ بہت بڑی ہے۔

کوئی صاحب آپ کے گھر میں آپ سے ملاقات کے بعد اگر یہ دعویٰ کریں کہ میں محترم فلان فلان کے گھر گیا تھا اور ان کے ڈرائنگ روم میں پانچ ہزار لوگوں سے ملاقات کی تو ان کی بات پر کوئی بھی اعتبار نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ گھر کے ڈرائنگ روم میں عموماً زیادہ سے زیادہ بیس تیس افراد کی گنجائش ہی ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ مسجد نبوی میں مدینہ کی پوری مسلمان آبادی نماز پڑھتی تھی تو یہ بات قابل قبول نہ ہوگی اس لئے کہ۔۔۔۔۔۔۔

رسالتماب کے زمانے کی مسجد نبوی (جس کے حدود و اربع کے نشانات آج بھی محفوظ ہیں) اتنی بڑی تھی ہی نہیں کہ اس میں زیادہ افراد نماز پڑھ سکتے اس میں تو بمشکل پچاس ساٹھ افراد کی گنجائش تھی۔

یاد رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور ان کے لئے زمیں کا حصول کوئی مسئلہ نہ تھا۔ جہاں چاہتے جتنی بڑی چاہتے مسجد بنا سکتے تھے۔

دوسری بات کہ اس زمانے میں اگر مسجد نبوی چھوٹی پڑ گئی ہوتی تو تھوڑے ہی فاصلے پر جنت البقیع سے ملحقہ تمام میدان پڑا تھا جہاں ابتدا ہی سے بڑی مسجد کا

اہتمام کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے یہ کہنا کہ مسجد نبوی میں مدینہ کی تمام آبادی نماز پڑھتی تھی ناقابل قبول بات ہے۔

اس زمانے میں جب کہ نہ تو لاؤڈ اسپیکر کا انتظام تھا کہ گلیوں میں کھڑے ہونے والے لوگوں کے لئے آواز پہنچانے کا انتظام کیا جاسکتا اور نہ ہی مکبر کا ہی کوئی فائدہ تھا اس لئے کہ مدینے کی گلیوں میں ویسے ہی مکبر کی آواز گم ہو جاتی۔ مکبر بھی صرف کھلی اور اونچی جگہ پر مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ وہ آنکھوں سے امام کی حرکات کو دیکھ کر تکبیر کہتے رہیں گلیوں میں مکبر نہ تو امام کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان تک آواز پہنچتی ہے جس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام نماز میں کس حالت میں ہے۔

اس لئے اگر نماز کے لیے بڑی مسجد کی ضرورت ہوتی تو یقیناً ایک بڑی مسجد کا اہتمام کرنا کوئی مشکل نہ تھا۔

حقیقت صلوٰۃ

حصہ دوم

WWW.AASTANA.COM

ابتدائیہ

حقیقت صلوٰۃ حصہ اول تو اصلاً ان اصحاب کے لئے کافی ہے جو سمجھنا چاہیں کہ قرآن کی صلوٰۃ کیا ہے جس کے لئے اہلِحدیث کے رسالے کا جامع حوالہ بھی پیش کیا گیا۔ بلکہ دیکھا جائے تو اہلحدیث کا حوالہ ہی کافی ہے لیکن حصہ دوم اس لئے پیش کیا جا رہا ہے کہ کچھ اصحاب علم کا خیال ہے کہ ان تمام آیات پر بھی غور کر لیا جائے جہاں سے نماز کا کوئی بھی تعلق ماخوذ کیا جاتا ہے، تاکہ صلوٰۃ کی حقیقت کو جامع اور مکمل شکل میں پیش کیا جاسکے۔ اس لئے آیئے حصہ دوم میں بقیہ آیات کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر آپ کو یاد دلا دوں کہ اقامت صلوٰۃ کی اصطلاح مفسرین، اور محققین کی نظر میں احکاماتِ الٰہی کے ذریعے ایک اصلاحی اور فلاحی معاشرہ کا قیام ہے اس لئے جہاں جہاں اقامت صلوٰۃ کا حکم ہے وہ انہی معنوں میں ہے البتہ جہاں ایتاء زکوٰۃ کے مزید حکم کے ساتھ آیا ہے وہاں معاشرہ کے تزکیہ کی بات بھی کی گئی ہے اور جہاں مجرد صلوٰۃ بطور اصطلاح آیا ہے وہاں صلوٰۃ بمعنی احکامات وارد ہوا ہے۔ اگلے صفحات میں ہم صلوٰۃ سے متعلق ان مقامات کا مطالعہ بھی کریں گے جہاں صلوٰۃ سے مراد نماز لی جاتی ہے۔

سورۃ البقرہ

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر238 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"حٰفِظُوا عَلَی الصَّلوٰتِ وَالصَّلوٰۃِ الْوُسْطٰی وَ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ"

"اپنی صلوات کی نگہبانی کرو۔ خاص طور پر اپنی صلوٰۃ وسطی کی اور اللہ کے لئے فرمانبرداری سے قائم رہو۔"

اس آیت میں صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کیا جاتا ہے اور صلوٰۃ وسطی سے عموماً نماز عصر مراد لی جاتی ہے گو کہ اس میں بھی اختلافات ہیں کہ یہ نماز عصر ہے یا نماز فجر یا کوئی اور.... لیکن اگر قرآن کو ایک مکمل مفصل اور مربوط کتاب سمجھ کر پڑھا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

زیرِ مطالعہ آیت نمبر238 طلاق اور عائلی مسائل کے احکامات کے درمیان وارد ہوئی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں صلوٰۃ کا ترجمہ "نماز" ماخوذ کیا جاتا ہے۔

چلئے ہم لمحہ بھر کے لئے بفرض محال یہاں صلوٰۃ کا مفہوم نماز کر بھی لیں تو آگے اور پیچھے کی آیات اس بات پر دلالت نہیں کرتی۔ ان آیات کا موضوع طلاق اور عائلی مسائل ہیں۔ دیکھئے آیت نمبر225 سے طلاق کے احکامات شروع ہوتے ہیں اور آیت نمبر232 پر مکمل ہوتے ہیں۔ آیت نمبر233 سے 237 تک رضاعت اولاد اور مطلقہ عورتوں سے نکاح کا پیغام اور مہر کی ادائیگی کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد آیت مذکورہ یعنی 238 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے.....

"حٰفِظُوا عَلَی الصَّلوٰ ا تِ وَالصَّلوٰۃِ الْوُسْطٰی وَ قُوْمُو اِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ"

''اپنی صلوٰات پر نگہباں رہو خاص طور پر صلوٰۃ وسطیٰ پر اور اللہ کے لئے فرما برداری سے قائم رہو''۔

دیکھئے اس آیت کا ربط پہلے احکامات کے ساتھ صرف اسی صورت میں قائم ہوسکتا ہے جب کہ ہم ''صلوٰۃ'' کو احکامات الٰہی جانیں۔ عائلی احکامات کے درمیان نماز کا حکم بے ربطگی کا احساس دلاتا ہے۔ کیونکہ اگلی آیات یعنی 240 سے 242 میں پھر وہی عائلی احکامات کی تکمیل ہوتی نظر آتی ہے۔ آیت نمبر 225 سے 242 تک عائلی احکامات ایک تسلسل سے بیان ہوئے ہیں، جن کے درمیان آیت نمبر238 میں صلوٰت کی نگہبانی کا حکم نازل ہوا ہے، جو یقیناً احکاماتِ الٰہی کی حفاظت سے متعلق ہے۔ اور صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عائلی مسائل پر وحی الٰہی کا حکم ایک خاص توجہ کی طرف دلالت کرتا ہے۔ آیت نمبر239 میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر خوف ہو تو بھی احکامات الٰہی کو رجالاً یارکباناً نگہبانی کرنا ہے۔ یعنی دلیری سے یا آپس میں جڑے رہ کر۔ (رجالاً کے معنی ''چلتے پھرتے'' بھی ہوتے ہیں اور ''مرد میدان'' بھی ہوتے ہیں اسی طرح رکباناً کے معنی سواری کے علاوہ ''ملے جلے، جڑے ہوئے'' بھی ہوتے ہیں۔) اور اس کے بعد ارشاد ہوا......

''فَاِذَا اَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُوْنَ''

''کہ البتہ جب حالت امن میں ہو تو جس طرح تمہیں تعلیم دی گئی ہے اسی طرح اللہ کے احکامات پیش نظر رکھو۔''

دیکھئے اگر تو یہ نماز ہے تو قرآن میں تو نماز کی تعلیم نہیں ملتی۔ کہیں کسی جگہ نہیں بتایا گیا کہ نماز کے لئے اذان کس طرح دی جائے گی، کس طرح نماز شروع کی جائے گی کس طرح کھڑا ہوا جائے گا کس طرح رکوع وسجدہ کیا جائے گا۔ نہ ہی بتایا گیا کہ کتنے رکوع ہوں گے، کتنے سجدے ہوں گے۔ پہلے سجدہ ہوگا یا رکوع کے بعد ہوگا۔ نہ ہی اذکارِ نماز کا ذکر ہے۔

لیکن قرآن کہہ رہا ہے "کَمَا عَلَّمَکُمْ" جیسے کہ تمہیں تعلیم دی گئی اس کا مطلب ہے کہ صلوٰۃ ایسی تعلیم ہے جس کی مکمل معلومات اللہ پاک نے عطا فرمادی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد نماز ہے اور صلوٰۃ وسطی سے مراد عصر کی نماز ہے غلط ہے۔ ہم کو تو قرآن سے وہ تفصیل ملنی چاہئے جس کے لیے قرآن کہتا ہے "کَمَا عَلَّمَکُمْ" جیسے کہ تم کو تعلیم دی گئی۔

ان آیات کا مختصر جائزہ لینے کے بعد آپ خود فیصلہ کیجئے کہ صلوٰۃ کو نماز بنائیں گے یا کہ اللہ کا حکم سمجھیں گے اور صلوٰۃ وسطیٰ کو وہ خاص عائلی احکامات سمجھیں گے جو تمام احکامات کی جامع اور محاسن ہوں، یا نماز عصر۔ اللہ کے کلام کو اگر اس کا صحیح مقام دینا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ خالق کائنات کا کلام بے ربط نہیں ہوسکتا۔ قرآن کی آیات کو ان کے سیاق و سباق کے ساتھ سمجھنے کی عادت ڈالئے۔ عام انسان بھی جب کوئی تصنیف کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ جس موضوع کو لیکر وہ چلا ہے اس سے ہٹ نہ جائے اور اختتام تک مربوط رکھے۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 43 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ"

"صلوٰۃ قائم کرو، ایتاء زکوٰۃ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"

اس آیت کو عموماً بہت نقل کیا جاتا ہے کہ دیکھئے یہ نماز ہے۔ اول تو اس جگہ بھی نماز سے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی، لیکن چلئے لمحہ بھر کے لئے مان بھی لیا جائے کہ یہاں اقامت صلوٰۃ سے مراد نماز کا قیام ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے لوگوں نے نماز قائم کرلی اور باجماعت نماز پڑھ لی گئی اور نماز میں رکوع وسجدہ بھی کر لیا گیا۔ پھر آگے "وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ" اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو کا حکم کون سے رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کروا رہا

ہے۔ دیکھئے "اَقِیۡمُوۡا الصَّلٰوۃَ" میں خود وضاحت ہے کہ صلوٰۃ کا قیام جماعت کا متقاضی ہے "اقیموا الصلوٰۃ" کا حکم جماعت ہی کو دیا جا رہا ہے اس لئے کہ خطاب ایک فرد واحد سے نہیں بلکہ پوری قوم بنی اسرائیل سے ہے اس لئے یقیناً یہاں پر "اقیموا الصلوٰۃ" کا حکم احکامات الٰہی کے قیام کا حکم ہے اور "وارکعوا مع الراکعین" کا حکم اس شخص کی حالت بتا رہا ہے جو احکامات الٰہی کے لئے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ کہ جیسے ہی اس کو حکم ہو وہ بے چوں و چرا عمل پیرا ہو جائے اس لیے اس آیت کا ترجمہ..... "احکامات الٰہی کو قائم کرو ایتاء زکوۃ کرو اور ان لوگوں کے ساتھ جو احکامات الٰہی کی بجا آوری کے لئے تیار ہیں تم بھی شامل ہو جاؤ" ہونا چاہئے۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 83 میں بنی اسرائیل کے حوالے سے "اقامت صلوٰۃ و ایتاء زکوٰۃ" کو میثاق بنی اسرائیل میں شامل کیا گیا تھا۔ اس آیت میں اگر بنی اسرائیل کے لیے نماز ماخوذ کی جائے تو اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی قرآنی دلیل نہیں ہے کہ نماز جیسی کوئی عبادت ان کے میثاق میں شامل تھی۔ ہمارے خود اپنے لیے قرآن نے نماز کی ماہیت نہیں بیان کی تو ان کے لیے کس طرح اس نماز کی دلیل دی جا سکتی ہے نہ تو اس آیت میں نماز کی ماہیت بتائی گئی ہے اور نہ ہی اوقات۔

آیت نمبر 110 میں ارشاد ہے.....

"اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عنداللہ"

"صلوٰۃ کو قائم کرو اور ایتاء زکوٰۃ کرو اور جو کچھ اپنے لوگوں کے لیے مقدم کرو گے اللہ کے نزدیک پاؤ گے"

دیکھ لیجئے اس آیت میں بھی کوئی ماہیت اور اوقات کا ذکر نہیں ہے۔

سورۃ بقرہ آیت نمبر 177 میں ان کیفیات کا ذکر ہے جو نیکی کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں ملاحظہ فرمایئے.....

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝"

"نیکی ہرگز یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ جو اللہ، آخرت، ملائکہ، الکتاب اور نبیوں کے ساتھ اہل ایمان ہو اور جس نے اس کی محبت میں مال دیا قرابت والوں کو، یتیموں کو، مساکین کو، اللہ کے راستے پر چلنے والوں کو، ضرورت مندوں کو اور مصیبت میں پھنسے لوگوں کو۔ مزید یہ کہ جن لوگوں نے صلوٰۃ کو قائم کیا اور ایتاء زکوٰۃ کی اور جب بھی عہد کیا تو عہد کو پورا کرنے والے ہوئے اور مشکلات و تکالیف میں استقامت سے کام لیا اور ایسے وقت میں بھی جب جنگ کی حالت ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچ کر دکھانے والے ہیں اور یہی لوگ تو متقی ہیں"۔

دیکھ لیجئے کہ اصل نیکی کا تصور کیا ہے۔ اصل نیکی کا تصور منہ کو مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لینے سے منسلک نہیں ہے جبکہ ہم نماز میں ایک طرف منھ کر کے کھڑے ہوتے ہیں بلکہ اصل نیکی کی بنیاد تو سب سے پہلے اپنے مال کو لوگوں کی ضرورت کے لئے کھلا رکھنے میں ہے۔ اس آیت میں بھی کہیں سے بھی نماز کی ماہیت یا اوقات کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اور آیت کی ابتدا ہی یہ کہہ کر کہ نیکی کا تصور چہرہ کو کسی رخ

کرنے میں نہیں ہے کسی ایسی عبادت کی نفی کر دی گئی جس میں چہرہ کسی خاص رخ کیا جائے۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 277 میں ''اقامت الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ'' کی اصطلاح رباء کے حوالے سے وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقات ط واللہ لا یحب کل کفار اثیم o ان الذین امنوا و عملوا الصلحت و اقامو الصلوٰۃ واتوا الزکوۃ لھم اجرھم عند ربھم ج ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنونo''

''اللہ رباء کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اللہ کسی کافر گنہگار کو محبوب نہیں رکھتا۔ یقیناً وہ لوگ جو اہل ایمان ہیں اور جنہوں نے اصلاحی عمل کئے اور صلوٰۃ کو قائم کیا اور زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیا انکے لیے انکا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے اور انہیں کوئی خوف نہیں اور نہ ہی یہ کوئی ملال کریں گے''۔

سیاق و سباق سے رباء معاشی ظلم ہے یعنی کوئی ایسا لین دین کیا جائے جو مملکت کے مفاد کے خلاف ہو یا کسی ایک فریق پر ظلم کا باعث بن جائے اور ظالم فریق کی معیشت میں اضافہ کا باعث بنے تو ایسا لین دین رباء ہے لیکن اگر مملکت کے قوانین کے خلاف ہو اور نہ ہی دونوں فریق میں سے کسی پر ظلم ہو تو صدقات کے زمرے میں آئے گا۔

اس لیے فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جو اصلاحی عمل کرتے ہیں اور احکامات الٰہی کو نافذ کرتے ہیں اور معاشرے کے تزکیے کا کام کرتے ہیں ایسے لوگوں کا اجر انکے مربی کے پاس محفوظ ہے انہیں کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ملال کرتے ہیں۔

رباء کے حوالے سے جو کلید ہے وہ آیت نمبر 279 میں ارشاد ہوئی ''لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ'' نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے۔ اور یہ بھی نوٹ کر

لیجئے کہ یہ کوئی ایسا عمل ہے جسکے خلاف پوری مملکت کی مشینری حرکت میں آجاتی ہے جس کو کہا گیا کہ اگر یہ لوگ رباء سے باز نہ آئے تو اللہ اور رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر3 میں متقی لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا.....

"اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ o "

"متقی لوگ وہ ہیں جو الغیب کے ساتھ اہل ایمان ہیں صلوٰۃ کی اقامت کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں عطا کیا ہے وہ لوگوں کے لیے کھلا رکھتے ہیں"

دیکھ لیجئے اس آیت میں صرف ان لوگوں کی صفات و کیفیات کا ذکر ہے جو متقی بننا چاہیں یا اگر متقی ہیں تو متقی رہنا چاہیں۔ اسمیں نماز کی ماہیت یا اوقات کی طرف زرہ برابر اشارہ تک نہیں ملتا۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر45 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے..... "اِسْتَعِیْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" یہ آیت بنی اسرائیل سے خطاب کے درمیان آئی ہے انہیں تلقین کی گئی "استقامت اور صلوٰۃ سے مدد حاصل کرو" یہی ہدایت سورۃ الاعراف کی آیت نمبر128 میں سیدنا موسیٰ کے حوالے سے بھی وارد ہے وہاں فرمایا گیا.....

"قَالَ مُوْسیٰ لِقَوْمِہِ اسْتَعِیْنُوا بِاللّٰہِ وَاصْبِرُوا"

"موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد حاصل کرو اور استقامت اختیار کرو"

دیکھئے اس آیت میں صلوٰۃ سے مدد کی جگہ اللہ سے مدد حاصل کرنے کو کہا جا رہا ہے یقینی طور پر اللہ سے مدد حاصل کرنا اللہ کے احکامات سے مدد حاصل کرنا ہے اسکی وحی اور اقدار سے مدد حاصل کرنا ہے جو یقینی طور پر "صلوٰۃ" ہے نہ کہ نماز جس کی پورے قرآن میں نہ تو ماہیت نظر آتی ہے اور نہ ہی اوقات اور نہ ہی تعداد اور نہ ہی نماز میں جو پڑھا جاتا ہے اس کا ذرہ برابر اشارہ۔ اس لیے اس آیت میں بھی

''صلوٰۃ'' بمعنی وحی الٰہی ہے نہ کہ نماز۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 153 میں بھی یہی حکم مومنین کے لیے وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُو ااسْتَعِیْنُوا بِالصَّبْرِوَالصَّلوٰۃِ''

''اے اہل ایمان استقامت اور صلوٰۃ سے مدد حاصل کرو''

''اِنّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ''

''اللہ استقامت پر رہنے والوں کے ساتھ ہے''

دیکھ لیجئے جس طرح بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا اسی طرح اہل ایمان کو بھی دیا جا رہا ہے۔ اگر مدد صرف نماز سے مل جائے تو قرآن کس مقصد کے لیے نازل کیا گیا؟ اس کے احکامات کب روبہ عمل ہونگے؟ اس قرآن کے نازل کرنے کا مقصد کیا ہوگا؟

سورۃ النساء

سورۃ النساء کی آیات 101 سے 103 تک نماز کے حوالے سے بہت شدومد کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں اس لئے ان کا بھی مطالعہ اس جگہ مناسب رہے گا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آیت نمبر71 سے آگے قتال و ہجرت کے حوالے سے یہ آیات وارد ہوئی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے.....

"وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ق اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّامُّبِیْنًا o وَاِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ فَاَقَمْتَ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَھُمْ قف فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ ص وَلْتَاْتِ طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَھُمْ وَ اَسْلِحَتَھُمْ ج وَدَّالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَ اَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَۃً وَّاحِدَۃً ط وَلَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَکُمْ ج وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا o فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ ج فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ج اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا o وَلَا تَھِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ط اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰہِ مَالَا یَرْجُوْنَ

ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً حَكِيْماًo

''اور جب تم زمین میں چلو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم لوگ صلوٰۃ میں کمی کر لیا کرو بشرطیکہ تم لوگوں کو کفار سے خوف ہو کہ وہ تم کو فتنے میں ڈال دیں گے۔ یقیناً کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں اور اے رسول جب تم ان لوگوں میں موجود ہو اور اگر ان کے لئے صلوٰۃ قائم کرنا چاہو تو چاہئے کہ ان لوگوں کی ایک جماعت تمہارے ساتھ کھڑی ہو اور اپنا اسلحہ لے لے۔ پس جب وہ سجدہ کر چکیں تو چاہئے کہ وہ تم لوگوں کے ان لوگوں میں سے ہو جائیں جو تمہارے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور چاہئے کہ دوسری جماعت جس نے صلوٰۃ نہیں ادا کی وہ اے رسول تیرے ساتھ صلوٰۃ ادا کرے اور اپنا بچاؤ کا سامان اور اسلحہ لے لے۔ کیونکہ کافر لوگ تو چاہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے اسلحے اور متاع سے غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کردیں۔ البتہ تم لوگوں پر کوئی رکاوٹ نہیں کہ تم اپنا اسلحہ اتار دو اور حفاظتی سامان لئے رہو بشرطیکہ تم لوگوں کو بارش کی وجہ سے تکلیف پہنچے یا یہ کہ تم لوگ مریض ہو۔ یقیناً اللہ نے کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے پس جب تم ''صلوٰۃ'' قضی کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے، بیٹھے اور اپنے اطراف میں اور جب تم امن میں آجاؤ تو صلوٰۃ قائم کرو۔ یقیناً صلوٰۃ مومنین پر ایک فرض/ کتاب/قانون ہے جو خود حدود مقرر کردہ ہے اور اس قوم کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی ویسی ہی تکلیف پہنچی ہے جیسی کہ تم کو پہنچی ہے البتہ تم اللہ سے وہ خواہش کرتے ہو جو وہ نہیں کرتے اور اللہ باعلم اور حکیم ہے''

آیئے چند امور پر غور کرتے ہیں

۱) **پہلی بات:** دیکھئے یہ آیات جنگ کے حوالے سے وارد ہوئی ہیں اور ان جنگوں کے دوران جن میں مجاہدین کی تعداد بیس ہزار سے تجاوز کر چکی تھی مثلاً فتح مکہ اور جنگ تبوک (جنگ تبوک تو رومی افواج کے خلاف تھی جس کی تعداد تو لاکھوں میں

تھی) اب غور کیجئے کہ رسالتماب اتنی بڑی فوج کے لئے نماز کا اہتمام جب کرتے ہوں گے تو کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔ آدھی فوج رسالتماب کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے بعد اپنا اسلحہ اٹھاتی یا اتارتی ہو گی اور دوسری جماعت بھی اپنا اسلحہ اٹھاتی یا اتارتی ہوگی تاکہ جماعت میں شریک ہو تو اس دوران رسالتماب کس حالت میں رہتے ہوں گے۔۔۔؟ کیا وہ سجدہ کے بعد بیٹھے ہی رہتے ہوں گے یا یہ کہ کھڑے ہو کر تلاوت کو اتنا لمبا کریں گے کہ چار پانچ ہزار کی فوج صفیں بنا کر نماز میں شریک ہو جائے اور اس تبدیلی میں کتنا وقت صرف ہوتا ہوگا اس کا اندازہ خود لگا لیجئے اور سوچئے کہ پانچ مرتبہ یہی عمل دن میں ہو تو کیا اس عمل کے علاوہ فوج کو کوئی وقت ملے گا کہ جنگ کی طرف دھیان دے سکے؟

۲) **دوسری بات:** پانچ دس ہزار کی پہلی جماعت جب اپنے رکھے ہوئے اسلحے سے لیس ہونے کے عمل سے گزرتی ہوگی اور اسی لمحے پانچ دس ہزار پر مشتمل دوسری جماعت اپنا اسلحہ اتارتی ہوگی تو اس عمل کے دوران کتنی افراتفری مچتی ہوگی۔۔۔؟ اور اس دوران کتنا وقت درکار ہوگا، آپ خود اندازہ لگا لیجئے اور یہی عمل دن میں پانچ مرتبہ دھرایا جائے تو جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے مومنین کی فوج اپنے دفاعی اور اقدامی مورچوں سے بار بار ہٹے گی تو کیا اس طرح دشمن کو اہم دفاعی اور اقدامی مورچوں کا جو کہ انتہائی خفیہ رکھے جاتے ہیں پتہ نہیں چل جائے گا؟

۳) **تیسری بات:** ایک جماعت رسالتماب کے ساتھ نماز پڑھنے میں مشغول ہے اور دوسری جماعت اس انتظار میں کھڑی ہے کہ پہلی رکعت کے ختم ہونے پر رسالتماب کے ساتھ نماز میں شریک ہو تو ایسے وقت میں میدان جنگ میں دشمن کے ساتھ نبرد آزما کون ہوتا ہوگا؟

۴) **چوتھی بات:** دن میں پانچ مرتبہ فوجوں کو آگے پیچھے کرنا جبکہ دشمن کے ساتھ

جنگ تلواروں اور بھالوں سے لڑی جا رہی ہو اور آمنے سامنے ایک دوسرے سے ہاتھا پائی والی جنگ ہو رہی ہو جیسے کہ پہلے زمانے میں ہوا کرتا تھا یہ ممکن ہی نہیں کہ لڑتی ہوئی فوج کو بلایا جائے اور نماز پڑھائی جائے۔

۵) **پانچویں بات:** جب اس طرح کی مصروفیت ہو کہ کوئی اسلحہ اتار رہا ہے اور کوئی اسلحہ سے لیس ہو رہا ہو مزید یہ کہ کمانڈر کی بھی توجہ اپنی فوج کی طرف نہیں کیونکہ وہ نماز میں مشغول ہے تو کیا دشمن کے لئے یہ انتہائی موزوں وقت نہیں کہ وہ یکبارگی حملہ آور ہو جائے؟ جس کے لئے قرآن خود کہہ رہا ہے کہ کفار تو اس موقع کی تلاش میں ہیں کہ تم اپنے اسلحے سے غافل ہو اور وہ یکبارگی حملہ آور ہو جائیں۔

۶) **چھٹی بات:** سب سے اہم بات یہ کہ پہلی جماعت صرف اسلحہ لے رہی ہے **"ولیا خذوا اسلحتھم"** اپنا اسلحہ لے لیں جب کہ دوسری جماعت نہ صرف اپنا اسلحہ لے رہی ہے بلکہ حفاظتی سامان بھی لے رہی ہے **'والیاخذوا حذرھم و اسلحتھم'** وہ اپنا حفاظتی سامان اور اسلحہ بھی لے لیں۔

آخر یہ فرق کیوں۔۔۔۔؟ اگر صلوٰۃ نماز ہے تو اس فرق کی کوئی وجہ نظر نہیں آرہی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ پہلی جماعت صرف اسلحے سے لیس ہو جبکہ دوسری جماعت نہ صرف اسلحے سے لیس ہو بلکہ حفاظتی سامان سے بھی لیس ہو؟

دیکھئے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کوئی اضافہ بلاوجہ نہیں ہوسکتا اس لیے اسلحہ اور حذر میں فرق ضرور ہے جس کو ہمارے مفسرین نے لائق توجہ سمجھا ہی نہیں یا خود ان کی سمجھ میں بات آئی ہی نہیں۔

۷) ساتویں بات: آیت نمبر 101 میں مخاطب تمام مومن لوگ ہیں جن سے کہا جارہا ہے کہ جب تم سفر کرو اور یاد رہے کہ یہ جنگی سفر کی بات ہے اور اس حالت میں کہ کافروں سے فتنے کا ڈر ہے تو ''صلوٰۃ'' سے کمی کر لیا کرو اور آیت نمبر 102

میں رسالتماب سے مخاطب ہو کر کچھ لوگوں کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ ''ان لوگوں'' کی ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو اور سجدہ کے بعد ''تم لوگوں'' کے پیچھے چلنے والوں یعنی متبعین میں سے ہو جائے یہاں پر ہمارے مفسرین نے ''ان لوگوں'' اور ''تم لوگوں'' میں فرق نہیں کیا حالانکہ یہ دونوں گروپ علیحدہ ہیں یہ دونوں ایک نہیں ہوسکتے کیونکہ جن سے بات کی جائے اور جن کے متعلق بات کی جائے ایک نہیں ہوا کرتے۔ جیسے کہ ''you'' اور ''He'' ''تم'' اور ''وہ'' کبھی ایک نہیں ہوا کرتے۔

آیئے ان اعتراضات کے بعد ان آیات کو اس کے سیاق و سباق سے دیکھتے ہیں کہ یہ آیات کس حوالے سے وارد ہوئی ہیں اور کس بات کی دلالت کرتی ہیں۔

یہ بات تو ان آیات پر سطحی نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ ان آیات کے پس منظر میں جنگ ہے۔ آیئے ہم پیچھے جا کر دیکھتے ہیں کہ یہ موضوع کہاں سے شروع ہوا ہے اور کس انداز سے اور کن مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے ان احکامات تک پہنچتا ہے۔

قتال کا موضوع آیت نمبر 71 سے شروع ہو رہا ہے جہاں پر مومنوں کو قتال کی ترغیب دی جا رہی ہے اور وجہ بھی بتا دی گئی جس پر لوگوں کے مختلف ردعمل کو بھی نقل کردیا گیا۔ آیت نمبر 72 میں مخصوص انداز سے ان لوگوں کی طرف اشارہ کرکے کہا گیا کہ .....''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ روکے رہو اور اس وقت اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کے لئے کوشاں رہو۔ پھر جب قتال کا حکم دیا گیا تو وہ لوگوں سے ڈرنے لگے اور کہنے لگے کہ قتال کیوں فرض کردیا گیا''۔ آگے کی آیات بھی قتال کے موضوع سے ہی متعلق ہیں اور مختلف حالات کو زیر بحث لاتے ہوئے انکے حل بتائے گئے پھر ان لوگوں کو جو قتال کے لئے نہیں نکلے بلکہ بیٹھے رہ گئے اور جن کو آیت نمبر 95 میں ''القعدون'' کا نام دیا گیا

فرمایا کہ..... ''یہ لوگ مومن تو ضرور ہیں لیکن کیونکہ قتال کے لئے نہیں نکلے اس لئے ان کے مقابلے میں مجاہدوں کا ایک درجہ زیادہ ہے'' آیت نمبر 97 میں ان لوگوں سے جو ہجرت نہ کر سکے، پوچھ گچھ کی گئی کہ ..... ''تم لوگ یہاں کیوں بیٹھے رہے'' اور انہی لوگوں کا موضوع آیت نمبر 100 تک زیر بحث آیا اور انہی لوگوں سے متعلق آیت نمبر 102 میں ان کی تربیت سے متعلق بات ہو رہی ہے۔

ان آیات سے پہلے بھی جنگی حالت کا بیان ہے اور ان آیات کا اختتام بھی اسی بات پر ہو رہا ہے کہ تم دشمن کی تلاش میں کمزوری نہ دکھانا۔ کیونکہ اگر تم کو اس وقت تکلیف پہنچی ہے تو اسی طرح دشمن کو بھی تکلیف پہنچی ہے۔ یہ سیاق و سباق اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آیات 101 سے 104 تک جنگی تدابیر کے حوالے سے آئیں ہیں۔

دیکھئے جنگ کے زمانے میں مکمل تربیت نہیں ہوا کرتی بلکہ انتہائی ضروری ٹریننگ دے کر فوج میں بھرتی ہوا کرتی ہے اور یہی بات آیت نمبر 100 میں کہی گئی ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ پس منظر میں جنگ و ہجرت ہے اور یہ ان لوگوں کی جنگی ٹریننگ کی پلاننگ ہے جو پیچھے بیٹھے رہ گئے تھے۔ اسی لئے کہا گیا "فَاَ قَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ" اگر تم ان لوگوں کے لئے نظم قائم کرنا چاہو۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اگر تم ایسے علاقے سے گزر رہے ہو جہاں تم کو کفار سے ڈر ہے کہ تم کو فتنے میں ڈال دیں گے تو تم فوجی ٹریننگ میں کمی کر سکتے ہو اور وہ لوگ جو بیٹھے رہ گئے تھے یا ہجرت نہیں کر سکے تھے ان کی ایک جماعت کو اسلحے کی جنگ یعنی اقدامی جنگ کی تربیت دو "والیاخذوا اسلحتهم" اور دوسری نفری کو نہ صرف اقدامی بلکہ دفاعی جنگ کی بھی تربیت دو "والیا خذ و حذرهم واسلحتهم" اور وہ جو ٹریننگ لے چکیں ان کو اب ان میں شامل کرلو جو تم لوگوں

کے پیچھے ہیں اور ایک بات سے خاص طور پر پیش آگاہ کر دیا گیا کہ ہر وقت اپنے اسلحے اور متاع کو مدنظر رکھنا یہ نہ ہو کہ ان کی طرف سے غافل ہو جاؤ اور کفار تمہارے اوپر یکبارگی حملہ آور ہو جائیں۔ ذرا غور کیجئے کہ میدان جنگ میں مومنین کو جو نماز پڑھائی جا رہی ہے وہ تو دشمن کو پورا پورا موقع دے رہی ہے کہ جس وقت چاہو حملہ کرلو کیونکہ اس نماز کی وجہ سے وہ ہر تھوڑی دیر بعد یا تو اسلحہ اتار رہے ہیں یا اسلحہ سے لیس ہو رہے ہیں یوں اپنی پوزیشن بھی خفیہ نہیں رکھ پا رہے۔ مزید برآں کمانڈر بھی جنگ کی طرف توجہ نہیں دے پا رہا۔

اس وارننگ کے بعد کہ اپنے اسلحے اور متاع سے غافل نہ ہو جانا مزید ایک حکم دیا جارہا ہے جو ایک خاص حالت کے تحت ہے کہ اگر تم بارش کی وجہ سے یا کسی کمزوری کے باعث تکلیف محسوس کرتے ہو تو اسلحے کو رکھ سکتے ہو لیکن بچاؤ کا سامان لئے رہنا اس آیت میں بارش کا لفظ اور مرض کا لفظ آیا ہے مفسرین نے یہ نہیں سوچا کہ جنگ میں اگر بارش ہو رہی ہے تو دونوں فریق کے لئے ہو رہی ہے جب بھی بارش ایسی جنگوں میں ہوئی ہے تو جنگ خود بخود رک جاتی ہے اور جب کبھی بھی کوئی سپاہی جسمانی مریض ہو جائے تو خود بخود اس کے ساتھی اٹھا کر پیچھے کردیتے ہیں اس بات کو قرآن خاص طور پر کیوں کہہ رہا ہے؟

یہ بھی جنگی ٹریننگ کا حصہ ہے کیونکہ اوپر اسلحے کے ساتھ جنگ اور دفاعی جنگ دونوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی کہا گیا کہ تم دونوں لحاظ سے پوری طرح تیار رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت سے دشمن یکبارگی حملہ کردے۔ اس لئے اس میں اس وقت کے لئے بھی استثنائی کیفیت کا ذکرکردیا کہ اگر تیروں کی یا گولہ بارود کی بارش ہو رہی ہو یا تمہاری پلاننگ میں کوئی کمی ہو تو تم اقدامی جنگ نہیں بلکہ دفاعی جنگ کرسکتے ہو۔

یہاں بارش بمعنی پانی کی بارش نہیں بلکہ اسلحے کی بارش ہے خواہ وہ آج کے زمانے کے جدید ہتھیار ہوں یا پرانے زمانے کے تیر یا آگ کے گولے۔ قرآن کی یہی خوبصورتی ہے۔ اس نے تیروں کی بارش کی بات ہی نہیں کی ورنہ قرآن اسی زمانے میں مقیّد ہو جاتا۔ بلکہ ایسا لفظ استعمال کیا ہے جو رہتی دنیا تک جنگوں میں اوپر سے جس قسم کا بھی ہتھیار آئے اسے بارش ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح سے مریض بمعنی جسمانی کمزوری نہیں بلکہ جنگی صلاحیت کی کمی ہے۔

مزید یہ کہ اللہ نے ایک قانون بھی بتا دیا کہ جب بھی اس طرح کی کیفیت ہوگی تو اللہ نے کفار کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بشرطیکہ تم نے اس کے اصولوں کو اپنایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا..... "**فاذا قضیتم الصلوٰۃ**" پس جب تم صلوٰۃ فیصل کر لو یعنی جس انداز سے اوپر حکم دیا گیا ہے۔ اس پر عمل پیرا ہو جاؤ تو "**فاذکروا اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبکم**" تو تم احکامات الٰہی کی یاد دھانی قیام کی حالت میں قعود کی حالت میں اور اپنے اطراف میں کراتے رہو۔ ہمارے ہاں ''ذکر اللہ'' کا مفہوم لیا جاتا ہے الحمد للہ ، سبحان اللہ یا اسی طرح کے کچھ الفاظ کی تکرار۔۔۔۔۔لیکن اللہ کے ذکر سے مراد اس قسم کی کوئی چیز نہیں بلکہ احکامات الٰہی کی یاددھانی ہے۔ اور ان آیات میں بھی یہی ہدایت ہے کہ جب تم جنگی تربیت حاصل کرلو تو اس وقت جب کہ تم کہیں قیام کرتے ہو یا پڑاؤ ڈالتے ہو تو اپنے اطراف میں اللہ کے احکامات کی یاددھانی کراتے رہو۔ قیام بمعنی ''موقف پر ڈٹے رہنا'' قعد بمعنی ''کسی دشمن کی گھات میں بیٹھنا'' اور جنوب بمعنی ''اطراف'' معروف معنی ہیں۔ جو ان آیات میں جنگ کے حوالے سے انتہائی موزوں ہیں۔ اس لیے ٹریننگ کے بعد فوجی اپنے فرائض کی انجام دہی میں میدان عمل میں آئے گا تو اسے احکامات الٰہی کو پیش نظر رکھنا ہوگا خواہ اس کی پوزیشن اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی ہو یا دشمن کی

گھات میں بیٹھے رہنے کی ہو یا اطراف میں اجانب کی طرف پیش قدمی کر رہا ہو۔

اس کے بعد ارشاد الٰہی ہے کہ پھر جب تم امن میں ہو جاؤ تو "**فاذا اطمانتم فاقیموا الصلوۃ**" پس "صلوۃ" قائم کرو۔ یعنی قصر صلوٰۃ کی بجائے مکمل صلوٰۃ قائم کرو۔ یہاں پر قصر صلوٰۃ کے مقابلے میں الصلوٰۃ کا حکم ہے اور جنگ کے بعد امن کی حالت میں حکم ہے اس لئے اقامت صلوٰۃ سے مراد مکمل تربیت کے بعد احکامات الٰہی کی بنیادوں پر قائم ہونے والا نظام ہے۔ یہ وہ مقصود ہے جو ہر مومن کی معراج ہے اس کے حصول کے لئے جو نظم جنگی ٹریننگ کے دوران قائم ہوگا وہ بھی صلوٰۃ ہے۔ صلوٰۃ کا قیام ایک اصلاحی معاشرے کا قیام ہے اس کے تحت جتنے بھی مختلف نظم وجود میں آئینگے سب صلوٰۃ کے زمرے میں آئیں گے۔

آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَوْقُوْتاً"

"یقیناً صلوٰۃ مومنوں پر ایک ایسا فرض ہے جو موقوت ہے"

یہ آیت بھی نماز کے لیے بطور دلیل پیش کی جاتی ہے لیکن اس میں موقوت کا ترجمہ وقت پر ادا کی جانے والی نماز کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے آیت کا ترجمہ کرتے ہیں.....

"نماز ایک ایسا فرض ہے جو وقت پر ادا کرنا ہے"

جی ہاں اگر ربط کا خیال نہ کیا جائے، اگر پورے قرآن میں نماز کی ماہیت نہ ملنے پر بھی صلوٰۃ کو نماز بنایا جائے، اگر صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کرنے سے خواہ قرآن کا مقصد کیوں نہ فوت ہو جائے تو پھر تو صلوٰۃ کو نماز بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر قرآن کے ربط کو ہی ملحوظ خاطر رکھیں تو یہاں جنگ کے دوران نماز ممکن ہی نہیں۔ آیئے اسی آیت کا مزید مطالعہ کرتے ہیں۔

اس آیت کی بنیاد پر کچھ جدید علماء نے نماز کو صلوٰۃ مؤقت کہنا شروع کردیا ہے جو ان کی اختراع ہے یہ نام ہمیں اسلاف و اکابر میں نہیں ملتا۔ اسلاف نے اگر نماز ثابت کی ہے تو تواتر اور احادیث کی بناء پر انہوں نے قرآن سے صرف حکم کی بات کی ہے اور بقیہ تمام جزیات کو تواتر اور احادیث سے ثابت کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے قرآن سے نماز کو "صلوٰۃ مؤقت" کا نام دیا ہے۔ میری ان سے گزارش ہے کہ نماز کو نماز ہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے ایک نئے نام کی جدّت ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ بات بن نہیں رہی جو نئے نئے الفاظ اختراع کئے جارہے ہیں۔ آیئے اب اس آیت کی تحلیل کرتے ہیں۔

یہ آیت جملہ اسمیہ ہے جس کا مبتدا الصلوٰۃ ہے اور کتاب اس کی خبر ہے۔ انّ کلمہ حصر ہے اِنّ کے اثر سے الصلوٰۃ نصبی حالت میں ہے، کانت فعل ناقص ہے۔ علی المومنین متعلقات خبر ہے، کتاباً کانت کے زیر اثر نصبی حالت میں ہے۔ موقوتا نہ صرف کتاب کی صفت ہے اور مرکب توصیفی کا حصہ ہے بلکہ اسم المفعول بھی ہے یعنی مرکب توصیفی "کتابٌ موقوتٌ" کانت کے زیر اثر "کتاباً موقوتاً" ہوکر الصلوٰۃ کی خبر ہے یعنی اصل جملہ "الصلوۃُ کتابٌ" ہے جس کے معنی ہیں "الصلوٰۃ" ایک کتاب ہے۔ آیئے اب مرکب توصیفی کتاب موقوت جو نصبی حالت میں کتابا موقوتا ہے اس پر بھی غور کرلیں۔

کتـــــاب بمعنی کتاب یا قانون معروف ہے اور قرآن نے بھی اللہ کے دیئے ہوئے احکامات اور وحی الٰہی کو کتاب ہی کہا ہے۔ رہا یہ مسئلہ "موقوتاً" کا جو کتاب کی صفت ہے تو علامہ پرویز کی لغات القرآن کے صفحہ نمبر 1729 کو پیش کئے دیتے ہیں۔ "ابن فارس نے لکھا ہے کہ "الموقوت" حد مقرر کردہ چیز کو کہتے ہیں یعنی جس کی حد مقرر ہو" بات بالکل واضح ہوگئی کہ الصلوٰۃ ایک ایسی کتاب ہے جو خود

حدود مقرر کردہ ہے۔ آیئے اس لفظ کا مزید مطالعہ کرتے ہیں کہ یہ حدود مقرر کردہ کے کیا معنی ہیں؟

لغات القرآن کے حوالے سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ وقت اور حد ایک ہی چیز ہیں وقت کا اسم المفعول اگر موقوت ہے تو حد کا اسم المفعول محدود ہے اب سادہ الفاظ میں یہ جان لیجئے کہ الصلوٰۃ ایک ایسی کتاب ہے جس کی خود اپنی حدود مقرر ہیں یہ تعلیمات ایسی نہیں جو مادر پدر آزاد ہوں یہ خود اپنے لئے حدود مقرر کرتی ہیں اور اس کے ذریعے جو بھی نظم قائم ہوگا وہ اپنی حدود سب سے پہلے متعین کرے گا۔ جس کی وجہ سے انسانیت کے حدود متعین کئے جائیں گے۔ اس آیت کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَلَا تَهِنُوْا فِیْ ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنَ تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ"

"اور تم دشمن قوم کی تلاش میں بالکل سستی نہ دکھاؤ اگر کہ تم الم رسیدہ ہو تو وہ بھی اسی طرح الم رسیدہ ہیں جیسا کہ تم الم رسیدہ ہو۔ جبکہ تم اللہ سے وہ خواہش کرتے ہو جو وہ اللہ سے خواہش نہیں کرتے۔"

دیکھ لیجئے کہ آیات میں ایسی قوم کا پیچھا کرنے میں سستی دکھانے سے بھی روک دیا گیا ہے بلکہ کہا گیا کہ اگر تمہیں جنگ میں تکالیف پہنچی ہیں تو بھی تم ان کو کیفر کردار تک پہنچانے میں بالکل کاہلی نہ دکھانا۔ یعنی جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے وہ دشمن سے نبرد آزما ہونے کے حوالے سے احکامات ہیں نہ کہ نماز کے حوالے سے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی شک رہ جاتا ہے کہ یہ "صلوۃ" نماز نہیں ہے۔ اور سیاق و سباق سے باہر کی بات ہے۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر 142 کا بھی مطالعہ کئے لیتے ہیں۔ یہ بات تو طے ہے

کہ قرآن میں کہیں بھی نماز کی ماہیت بیان نہیں ہوئی ہے اور جس طرح ہر جگہ نماز ماخوذ کی گئی ہے، اس جگہ بھی نماز ماخوذ کی جاتی ہے اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے منافقین کی صلوٰۃ کی طرف سے بے رغبتی بیان فرمائی ہے دیکھئے آیات سابقہ یعنی 137 سے 141 تک کچھ لوگوں کا رویہ بیان ہوا ہے جو مومنین اور احکامات الٰہی کے خلاف دھوکے بازی اور انکار پر مبنی ہے آیت نمبر137 میں ارشاد ہوا کہ.....

''وہ لوگ جنہوں نے ایمان قبول کیا پھر انکار کیا پھر اہل ایمان ہوئے پھر انکار کیا پھر اپنے انکار میں بڑھتے ہی چلے گئے تو اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی ان کو راہ راست دکھائے گا اور منافقین کو خبردار کردو کہ ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔ وہ لوگ جو مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت چاہتے ہیں حالانکہ عزت تو تمام کی تمام اللہ کے لئے ہے۔ یقیناً اللہ تو تم پر کتاب کے معاملے میں بتاچکا کہ اگر تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار ہو رہا ہے یا ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم بھی انہی میں شمار ہوگے۔ یقیناً اللہ تمام منافقین اور کفار کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے یہ منافقین تمہارے متعلق انتظار میں ہیں۔ اگر اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کوئی کامیابی ہو تو کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کفار کے لئے کچھ حصہ کامیابی کا ہو تو کہیں گے کیا ہم کو تم پر غلبہ نہ تھا اور تم کو تو مومنین سے ہم نے بچایا۔ پس اللہ تمہارے درمیان قیامت کے روز فیصلہ فرمادے گا۔ اور اللہ نے کافروں کیلئے مومنین کے خلاف کوئی راستہ نہیں رکھا ہے''

منافقین کے ان اوصاف کو بیان کرنے کے بعد سورۃ النساء کی آیت نمبر142 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

”اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ج وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی لا یُرَآئُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًاo مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ ق لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَلَہٗ سَبِیْلًاo“

”یقیناً منافقین اللہ سے دھوکے بازی کررہے ہیں اور اللہ اس کا توڑ کررہا ہے اور جب یہ منافقین صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ناپسندیدگی سے لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کا ذکر کم ہی کرتے ہیں یہ اس کے درمیان تذبذب میں پڑے ہیں۔ نہ تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کے ساتھ اور اللہ جسے گمراہ قرار دے تو تم اس کے لئے کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔“

دیکھئے وہ شخص جو کفار سے دوستی بھی رکھے ان کے ساتھ اٹھے اور بیٹھے بھی اور ان سے ملنا اپنے لئے باعث عزت سمجھے اللہ کے احکامات کا انکاری بھی ہو اور اللہ کی آیات کا مذاق بھی اڑائے اور جو اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش میں بھی لگا ہو وہ کیونکر مومن کے ساتھ نماز پڑھے گا یا مومنین کیونکر اس کو اپنی جماعت میں شامل کریں گے۔ وہ تو کھلا دشمن ہے اسے مومنوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کون سی چیز مجبور کرسکتی ہے۔ منافق کوئی ڈھکی چھپی شخصیت نہیں وہ معلوم شخصیت ہے اس کے ساتھ بیٹھنے کو بھی منع کردیا گیا۔ اس لئے ایسا شخص مومنوں کے ساتھ کیونکر ان کی عبادت میں شامل ہوگا۔ البتہ ایسا شخص مسلم حکومت کا شہری تو بن کر رہ سکتا ہے اور مملکت کے قانون کو قبول کرنے پر مجبور بھی ہوگا۔ وہ اللہ کے حکم یعنی اس حکومت کے قوانین کو مجبوراً اور لوگوں کو اس مملکت کا فرمانبردار شہری دکھانے کے لئے تو قبول کرے گا لیکن دل کی آمادگی کے ساتھ وہ ان قوانین کو جو وحی الٰہی کے تحت بنائے جائیں کبھی قبول نہیں کرے گا۔

آیت نمبر 77 میں جن منافقین سے متعلق بات کی جا رہی ہے ان کا ذکر آیت

نمبر 71 سے شروع ہوا ہے اور درمیان میں ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ "

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ باندھے رکھو اور صرف اقامت الصلوٰۃ اور ایتا لزکوٰۃ کرو پس جب قتال کا حکم ملا تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے ایسے ڈرنے لگا جیسے کہ اللہ کا ڈر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اور بولے کہ ہمارے رب نے ہم پر کیوں قتال فرض کر دیا اور کیوں نہ اسے کچھ عرصے تک متاخر کر دیا ہوتا۔"

دیکھ لیجئے یہاں صلوٰۃ سے وحی الٰہی کا نظم اور اسکا نفاذ مقصود ہے یہاں پر دور دور تک نماز کا تصور نہیں ملتا۔ اگر ذرا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ قتال سے پہلے اہل ایمان کو جنگ سے روکا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ابھی احکامات الٰہی کے تحت جو نظم یا حکومت قائم ہوئی ہے اس کو مستحکم کرلو جب یہ حکومت مستحکم ہوگئی تو اب جنگ کا حکم ملا تو یہی لوگ کنی کترانے لگے۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر 43 کو وضو کے حوالے سے حصہ اول میں تفصیلاً پیش کیا جاچکا ہے ۔

سورۃ المائدہ

آیت نمبر12 میثاق بنی اسرائیل کے حوالے سے ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ ج وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْباً ج وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ط لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِo"

"یقیناً اللہ بنی اسرائیل سے عہد لے چکا اور ہم نے مبعوث کئے ان ہی میں سے بارہ نقیب اور اللہ نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر کہ تم نے وحی الٰہی کو قائم کیا اور معاشرہ کے تزکئے کا فرض نبھایا اور میرے رسولوں کے ساتھ اہل ایمان ہوئے اور تم ان کی طاقت بنے اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہے تو لازماً میں تم سے تمہاری برائیوں کو دور کر دونگا اور یقیناً تم کو ان باغات میں داخل کر دوں گا جن کی ماتحتی میں خوشحالیاں رواں دواں ہونگی۔ پس تم میں سے جس نے اس کے بعد کفر کیا وہ متوازن راستے سے گم ہو گیا۔"

دیکھ لیجئے یہاں صلوٰۃ بمعنی نماز نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ وحی الٰہی کے نفاذ اور معاشرہ کی بہبود سے متعلق بات ہو رہی ہے نہ کہ نماز کی ماہیت یا اوقات بیان کئے جا رہے ہیں البتہ وحی الٰہی کے نفاذ کو اگر نماز بنالیں تو اور بات ہوگی۔

آیئے اب آیت نمبر 91 کا مطالعہ کرتے ہیں۔

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 91 بنیادی طور پر الخمر و المسیر سے متعلق ہے اور ماقبل آیت میں یہ بتانے کے بعد کہ "الخمروالمیسراورانصاب والازلام" چار ایسے عمل ہیں جو شیطانی اعمال کی گندگی ہیں یعنی شیطانی اعمال کے برے نتائج ہیں پس تم ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ آیت بھی ملاحظہ فرمایئے.....

"یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُوَالْمَیْسِرُوَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَo"

"اے مومنو الخمراورالمیسراور انصاب اور ازلام صرف شیطان کے عمل ہیں پس اس سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔"

اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"اِنَّمَا یُرِیْدُالشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِوَالْمَیْسِرِوَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِاللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَo"

"شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ الخمراورالمیسر کے معاملے میں تمہارے درمیان بغض اور عداوت ڈال دے اورتم کو اللہ کی یاد دھانی اور وحی الٰہی سے دور رکھے تو پس کیا تم رکنے والے ہو۔"

دیکھ لیجئے کہ ان آیات مبارکہ میں بھی نماز کی ماہیت نہیں بتائی گئی بلکہ شیطان کے ارادے سے آگاہ کیا گیا کہ وہ تم کو "صلوۃ" سے روکتا ہے۔ اس لئے ان آیات میں بھی اگر "صلوۃ" کا ترجمہ نماز کیا جائے تو ذہن میں نماز کا تصور رکھ کر کیا جائے گا اور ماخوذ ہوگا۔ دوسری بات کہ "صلوۃ" ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ بیان ہوئی ہے اور اگلی آیت میں "اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول واحذروا" اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ہوشیار رہو سے بات اور واضح ہوگئی کہ ماقبل آیات اللہ اور

اس کے رسول کی اطاعت سے متعلق ہیں یعنی اللہ کے احکامات پر مبنی نظام اور اس کے ذمہ دار رسول کی اطاعت لازم ہے۔ یقیناً جو اعمال کے غلط نتائج سامنے آتے ہیں وہ اسی طرح روکے جاسکتے ہیں کہ ان شیطانی اعمال کے مقابلے میں وہ اعمال کئے جائیں جو اصلاحی اعمال ہوں اور وہ وحی الٰہی کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتے ہیں.....

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 106 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَاَحَدَ کُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّۃِ اثْنٰنِ ذَوَاعَدْلٍ مِّنْکُمْ اَوْاٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِ کُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃُ الْمَوْتِ ط تَحْبِسُوْنَھُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوۃِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰہِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِہٖ ثَمَنًا وَلَوْکَانَ ذَاقُرْبٰی لا وَلَا نَکْتُمُ شَھَادَۃَ اللّٰہِ اِنَّآ اِذاً لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَo"

"اے اہل ایمان تمہارے درمیان شہادت اس وقت کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب ہو اپنوں میں سے دو عدل والے گواہوں کی ہے یا اگر تم کسی سفر پر ہو اور اپنوں میں سے گواہ نہ مل سکیں تو غیروں میں سے دو گواہوں کی ہے جب کہ تم کو موت کی مصیبت پہنچے۔ ان دونوں گواہوں کو صلوٰۃ کے بعد روکو اور وہ اللہ کو گواہ بنا کر اعلان کریں کہ اگر تم شک میں پڑے تو وہ اس کے عوض کسی قسم کی تجارت نہیں کریں گے خواہ قریبی ہی کیوں نہ ہو۔ اور گواہی نہیں چھپائیں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ ظالموں میں سے ہوں گے"

ان آیات میں چند باتیں غور طلب ہیں کہ ذواعدل کون ہیں، منکم اور غیر کم سے کیا مراد ہے اور بعد الصلوٰۃ سے کیا مراد ہے۔

منکم تو واضح ہے کہ یہ اہل ایمان ہیں اور اسی جگہ کے لوگ ہوں گے جہاں پر وصیت کرنے والا وصیت کر رہا ہے۔ البتہ غیر کم سے مراد لی گئی ہے غیر مومن یعنی

دشمن قوم کے لوگوں میں سے گواہ بنا لینا۔ یہ ایک ناقابل قبول بات ہے اس لئے کہ دشمن قوم کے علاقہ میں سفر کے دوران وہاں کے لوگوں کو گواہ کس طرح بنایا جاسکتا ہے انہیں گواہی کے وقت کس طرح بلایا جاسکے گا وہ خود کس طرح ہمارے علاقے میں آئیں گے اور دشمن قوم کے لوگوں پر گواہی کے لئے بھروسہ ناممکن ہے۔ اصلاً یہ بھی اہل ایمان لوگ ہیں البتہ اپنے علاقے کے نہیں ہیں کیونکہ وصیت کرنے والا دوسرے علاقے میں موجود ہے اس لئے جب بھی ضرورت پڑی گواہ بلالئے جائیں گے۔

دوسری بات اس آیت میں ''الصلوٰۃ'' سے کیا مراد ہے؟ یہاں پر الصلوٰۃ سے مراد وہ مجالس ہیں جن میں حکومت وقت کے لوگ فیصلے کرتے ہیں اور یہ "ذواعدل" اہل عدالت ہوں گے۔ یہ وہ مجالس ہیں جہاں مستقبل کے لائحہ عمل متعین کئے جاتے ہیں اور قانونی فیصلے ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسی مجالس کے بعد انہی اہل عدل و انصاف کے دو بندوں کو شہادت کے لئے مقرر کیا جائے گا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اس وقت کی عدالت ہوتی ہے۔

اس لئے "ذواعدل" سے مراد وہ لوگ ہیں جو عدالت سے منسلک ہوتے ہیں۔ "منکم" سے مراد تمہارے اپنے علاقے کے لوگ اور غیر کم سے مراد بھی اہل ایمان ہیں لیکن اپنے علاقے کے نہیں ہیں بلکہ جہاں انسان سفر کر رہا ہو اور "الصلوٰۃ" سے مراد وہ مجلس جہاں اہل عدل اپنے فرائض کی انجام دہی میں مشغول ہوتے ہیں۔

سورۃ الانعام

سورۃ الانعام کی آیات 91 اور 92 میں اہل کتاب اور مومنین کا تقابل بیان کیا گیا ہے اور واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اللہ کے احکامات کے ساتھ اہل کتاب کا ماضی میں رویہ کیا رہا۔ اور اہل ایمان سے احکامات کے متعلق کیا مقصود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْقَالُوا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ ط قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ج وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ط قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَo"

"اور انہوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنی چاہئے تھی جب کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری ان سے پوچھو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جسے موسیٰ لائے تھے جو نور اور ہدایت تھی لوگوں کے لئے جس کو تم پارہ پارہ کرتے ہو جس کو بتاتے بھی ہو لیکن کثرت سے چھپاتے ہو اور تم کو تو وہ تعلیم دی گئی تھی جو نہ تو تم کو اور نہ ہی تمہارے مذہبی پیشواء کو معلوم تھی کہو ان سے وہ اللہ ہی تھا۔ پھر ان کو ان کی بے ہودگی میں مگن رہنے دو۔"

اس کے برعکس اللہ مومنین کے لئے سورۃ الانعام کی آیت نمبر92 میں ارشاد فرماتا ہے.....

"وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَاُمَّ الْقُرٰى

وَمَنْ حَوْلَهَا ط وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَo"

''اور یہ کتاب ہم نے نازل کی جو مبارک بھی ہے اور مصدق بھی ان تعلیمات کی جو اس کے سامنے ہے تاکہ تم ام القریٰ اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو پیش آگاہ کرو اور وہ لوگ جو آخرت میں اہل ایمان ہیں اس کتاب کے بھی مومن ہیں اور وہ اپنی صلوٰۃ کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔''

دیکھئے یہاں پر اہل کتاب کا رویہ بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں نے

۱) اللہ کی کتاب کو پارہ پارہ کیا

۲) بتاتے بھی ہیں لیکن چھپاتے زیادہ ہیں

۳) اس مشغلہ کو اہل کتاب کا کھیل تماشہ کہا گیا۔

اسکے برعکس مومنین کا عمل بتایا گیا۔

۱) اللہ کی کتاب کی تصدیق کرتے ہیں

۲) اس کے ساتھ اہل ایمان ہیں۔

۳) اور اپنی ''صلوٰۃ'' کی حفاظت کرتے ہیں۔ اہل کتاب کی طرح پارہ پارہ نہیں کرتے۔ آپ خود اندازہ کرلیجئے کہ مومن کس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اہل کتاب نے کس کو پارہ پارہ کیا وہی صلوٰۃ ہے۔

سورۃ الانعام میں الصلوٰۃ کا لفظ دوسری مرتبہ اقامت کے حکم کے ساتھ آیت نمبر72 میں آیا ہے۔ جو کہ ماقبل آیت سے منسلک حکم ہے جسمیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی سے ارشاد فرمایا کہ.....

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَالْهُدٰى ط وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ط وَهُوَ الَّذِىْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَo

''تم اعلان کرو کہ بلا شک و شبہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور ہمیں حکم

ہوا ہے کہ ہم رب العالمین کے لیے سلامتی دینے والے بنیں۔ اور یہ کہ وحی الٰہی کو قائم کریں اور اسی کے احکامات سے ہم آہنگ رہیں کیونکہ اسی ہستی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔''

دیکھئے اس آیت میں ''نسلم'' کا ترجمہ ''سلامتی دینے والے بنیں'' کیا گیا ہے کیونکہ یہ لفظ باب افعال سے ہے اور اس باب سے الفاظ کی خاصیت اپنی صلاحیت کو دوسرے پر اثر انداز ہونے کی ہوتی ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ''مسلم'' کا لفظ باب افعال سے اسم الفاعل ہے اور باب افعال سے اسم الفاعل کا معنی ہے اپنی خاصیت کو دوسروں تک پہنچانے والا اسی طرح ''نسلم'' باب افعال سے جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے اور اس کا مطلب ہے ہم سلامتی پہنچاتے ہیں ہم سلامتی کے ضامن ہیں ''نسلم'' سے پہلے ''اَن'' آیا ہے اس لیے ترجمہ ہوگا کہ ہم سلامتی پہنچائیں اور یہ بات یقینی ہے کہ احکامات الٰہی کے قیام کے بغیر سلامتی نہیں پہنچائی جاسکتی دنیا میں نماز پڑھنے والے اپنے مسلک سے مختلف لوگوں کو انکی مسجدوں میں انتہائی وحشیانہ انداز سے بموں سے اڑا رہے ہیں۔ یقیناً نماز پڑھنے والے ''اقامت الصلوٰۃ'' یعنی وحی الٰہی کے ذریعے امن و سلامتی پہنچانے والے بن ہی نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وحی الٰہی کو قائم کرنے والے ہی ''مسلم'' یعنی سلامتی دینے والے اور مومن یعنی امن دینے والے ہو سکتے ہیں۔ آیت متذکرہ حصہ اول میں بھی رسالتماب کی صلوٰۃ کے تحت زیر بحث آچکی ہے۔

سورۃ الانفال

سورۃ الانفال میں صلوٰۃ کا لفظ صرف ایک مرتبہ آیت نمبر3 میں وارد ہوا ہے جہاں مومنوں کی صفات کا بیان ہے۔فرمایا گیا.....

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ آیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَاناً وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ O اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ O"

"مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل تیزی سے دھڑکتے ہیں اور جب ان کو اس کے احکامات بتائے جاتے ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو وحی الٰہی کو قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو رزق دیا اسمیں سے انفاق کرتے ہیں"۔

سورۃ انفال بنیادی طور پر مومنین کے درمیان معاملات کی اصلاح اور کفار سے نبرد آزما ہونے کے متعلق ہے۔ اس سورۃ میں کفار عرب کو فرعون کی مثال بھی دی گئی کہ جس طرح فرعون کا معاملہ ہوا اسی طرح ان کے ساتھ ہوگا۔

اس آیت میں بھی نہ تو نماز کی ماہیت کا ذکر ہے، نہ اوقات کا اور نہ ہی نماز سے متعلق کسی قسم کا اشارہ ملتا ہے بلکہ اہل ایمان کی صفات کا بیان ہے۔

سورۃ التوبہ

سورۃ توبہ کی آیت نمبر5 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوۡا سَبِیۡلَہُمۡ"

"پس اگر یہ لوگ اپنی روش سے باز آجائیں اور اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو"

اور اسی سورۃ کی آیت نمبر 11 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ"

"پس اگر یہ اپنی روش سے باز آجائیں اور اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیں تو دین کے معاملے میں تمہارے بھائی ہیں"

غور کیجئے کہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ وہ اعمال ہیں جن کی وجہ سے مومنین کو روک دیا گیا کہ وہ مشرکین کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں نہ صرف یہ بلکہ اس شخص کا مقام بلند ہو جاتا ہے کہ وہ دین کے لحاظ سے ایک مومن کا بھائی بن جاتا ہے۔ اس لئے اندازہ لگایئے کہ کسی ایسے شخص کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی ہو ہی نہیں سکتی جو اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ حالانکہ یہی تادیبی کارروائی اس نمازی کے خلاف کی جاسکتی ہے جو قانون شکنی کا مرتکب ہو۔

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک نمازی اگر کسی کا قتل کرے یا ڈاکہ ڈالے تو اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ وہ نماز بھی پڑھ رہا ہے اور زکوٰۃ بھی دے رہا ہے اگر نمازی کی نماز اسے کسی تادیبی کارروائی سے نہیں رکوا سکتی تو پھر نماز "صلوٰۃ" نہیں ہے اس لئے

کہ صلوٰۃ کے ادا کرنے والے تو خود احکامات کو قائم کرنے والے ہوتے ہیں اور کسی قانون شکنی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ ایسا شخص تو خود اللہ کے احکامات کے تحت نظم پر چلنے والا ہے اس سے کسی قسم کی غلطی کا ارتکاب ہو ہی نہیں سکتا جیسے ہی وہ کوئی غلطی کرتا ہے وہ اس گروپ سے باہر ہو جاتا ہے جسے صلوٰۃ کے قائم کرنے والا کہا جاتا ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ ''صلوٰۃ اور زکوٰۃ'' کی وجہ سے کیوں اس کو بھائی بنانا پڑتا ہے اور اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوتی وہ اس لئے کہ وہ قانون شکن ہے ہی نہیں اس نے تو احکامات الٰہی کی اقامت کی ذمہ داری لی ہوئی ہے وہ تو وحی الٰہی کے قائم کرنے والوں میں سے ہے وہ احکامات الٰہی کے ساتھ کسی دنیاوی احکامات کا اشتراک کرتا ہی نہیں ہے اس لئے وہ مشرک ہوتا ہی نہیں۔

سورۃ الروم دیکھ لیجئے آیت نمبر 31 میں اللہ پاک نے بتادیا کہ مشرک کون ہوتے ہیں یعنی مشرک تو ہوتا ہی وہ ہے جو وحی الٰہی میں اپنے اور اپنے اسلاف کے خیالات کا اشتراک کرتا ہے جس کی وجہ سے اسلاف اور اکابر کے ناموں کی بنیاد پر ہزاروں مسلک اور فرقے بنتے رہے ہیں۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 18 میں بھی صلوٰۃ کا لفظ وارد ہوا ہے لیکن اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے آیت نمبر 17 کا مطالع بھی ضروری ہے۔ ان آیات میں ''مسجد اللہ'' کی اصطلاح کا بھی سمجھنا ضروری ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ارشاد باری تعالی ہے.....

''مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ o اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ o''

''مشرکین کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اللہ کی مساجد آباد کریں اس حالت میں کہ خود اپنے لوگوں پر کفر کے گواہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال بے نتیجہ ثابت ہوئے۔ اللہ کی مساجد تو صرف وہ آباد کرتے ہیں جو اللہ کے احکامات اور آخرت میں اہل ایمان ہوں۔ اور جنہوں نے احکامات الٰہی کو قائم کیا اور خوشحالی عطا کی اور سوائے اللہ کے احکامات کے کسی سے نہیں ڈرے۔ پس امید ہے کہ یہ لوگ ہی ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہونگے۔''

بنیادی طور پر سورۃ التوبہ کی ابتدائی 28 آیات رسالتماب کے دور کے ان مشرکوں سے متعلق ہیں جنہوں نے رسالتماب کے خلاف جنگی محاذ کھول رکھے تھے۔ ان سے متعلق احکامات میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ وہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکیں کیونکہ وہ نجس ہیں۔ جس کو مسلمانوں نے تمام مشرکین پر چسپاں کر کے ہر شخص کا داخلہ بند کر دیا۔

دوسری بات ''مسجد'' اور اللہ کی مسجد کیا ہے؟ مسجد مَفْعِلٌ کے وزن پر ہے اور اسم ظرف ہے۔ جس کے معنی مادہ کے لحاظ سے وقت یا جگہ کے ہوتے ہیں۔ مسجد وہ جگہ جہاں احکامات الٰہی کے آگے سجدہ ریز ہوا جائے۔ اگر تو اس سے نماز کا سجدہ مراد لیا جائے تو مسلمانوں کی عبادت گاہ کا تصور آئے گا۔ اور اگر سجدہ کا معنی احکامات کے آگے سرنگوں ہونا لیا جائے تو مسجد کے معنی ہونگے وہ احکامات الٰہی جن کے آگے انسان سرنگوں ہوتا ہے۔ ہر وہ بستی جو اسلامی حکومت کا حصہ ہو اللہ کی مسجد کہلانے کا حق رکھتی ہے کیونکہ وہاں ہر شخص احکامات الٰہی کے آگے سرنگوں ہوتا ہے۔ اس لئے ان آیات میں صرف اتنی سی بات کہی گئی ہے کہ اس بستی کے ایسے مکین جو اللہ کے احکامات پر عمل پیرا نہیں ہیں کیونکر ایسی بستی کو آباد کر سکتے ہیں۔ حقیقت تو صرف یہ ہے کہ ایسی بستی کے آباد کرنے والے تو صرف وہی ہو سکتے ہیں جو اللہ کے احکامات کے ساتھ اور آخرت میں اہل ایمان و امن ہوتے ہیں۔ احکامات الٰہی نافذ کرتے

ہیں اور بستی کی خوشحالی کے ضامن ہوتے ہیں اور صرف اللہ کے احکامات سے ہی خشیت اختیار کرتے ہیں اور ایسے لوگوں سے ہی یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں میں انکا شمار ہو۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 54 میں کفار سے متعلق ارشاد ہے کہ.....

"وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ o"

"ان کے انفاق کو قبول کرنے سے اس لئے روکا گیا کہ انہوں نے اللہ اور رسول کا کفر کیا اور یہ "الصلوٰۃ" کی طرف آتے ہیں تو بے دلی سے اور جب انفاق کرتے ہیں تو ناپسندیدگی سے"

دیکھ لیجئے کہ منافق وہ شخص ہے جو نہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور نہ ہی صلوٰۃ کی طرف آتا ہے۔ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرتا بھی ہے تو ناپسندیدگی سے اور اگر صلوٰۃ کی طرف آتا بھی ہے تو دل کی آمادگی سے نہیں بلکہ بے زاری سے اس لئے ایسے شخص سے اس کے نفقات بھی قبول نہیں کئے جاتے۔

ویسے تو منافق کی کیفیت کا بیان آیت نمبر 38 سے شروع ہوا ہے جس میں بتایا گیا کہ جب ان سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو یہ کسل مندی دکھاتے ہیں اور نہ جانے کے ہزار بہانے تراش کر اجازت طلب کرتے ہیں انفاق کے لئے کہا جائے تو ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں کفار سے بھی دوستی رکھتے ہیں اور مومنین سے بھی مفادات حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن مومنین کے لئے ہمیشہ برائی چاہتے ہیں اس لئے فرمایا گیا کہ اب ان لوگوں کے نفقات بھی قابل قبول نہیں ہیں کیونکہ یہ فاسق قوم ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ بالا آیت میں ارشاد ہوا کہ منافقین سے ان کے نفقات قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے.....

۱) اللہ اور اس کے رسول کا کفر کیا

۲) یہ صلوٰۃ کے لئے بیزاری دکھاتے ہیں

۳) انفاق ناپسندیدگی سے کرتے ہیں

ان آیات میں منافقین کا رویہ بیان ہوا ہے جس میں اس بات کو واضح کیا گیا کہ ایسے لوگوں سے جب بھی اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو بہانے تراشتے ہیں یعنی یہ ان کا کفر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جب ان کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ بہانے بنا کر ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ انفاق مجبوری و بے دلی سے کرتے ہیں۔ اس میں بھی بہانے بناتے ہیں۔ منافقین سے متعلق تفصیلاً بیان سورۃ النساء کی آیت نمبر 142 کے تحت کیا جا چکا ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 71 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ o"

"مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں معروف باتوں کا حکم کرتے ہیں اور غلط باتوں سے روکتے ہیں اور احکامات الٰہی کو نافذ کرتے ہیں اور خوشحالی عطا کرتے ہیں اور اللہ کے احکامات اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ رحم فرماتا ہے اور اللہ یقیناً غالب حکیم ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں مومن مرد اور عورت کے متعلق بتایا گیا کہ وہ کیا کیا کام کرتے ہیں۔ اس سے ماقبل آیت میں پہلی قوموں کا ذکر کر کے کہا گیا کہ قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور جھوٹی قوموں نے اپنے لوگوں پر ظلم کیا تو عذاب الٰہی سے دوچار ہوئے۔ یہ تباہی خود انکے اپنے اعمال کی وجہ سے تھی

نہ کہ اللہ کا ظلم۔

اس کے بعد زیر مطالع آیت آئی ہے ظاہر ہے اسمیں ان لوگوں کا ذکر ہے جو ظالم نہیں وہ ویسے کام نہیں کرتے جیسے کہ ظالم لوگ کرتے ہیں۔ اس لئے اس آیت میں ''اقامت صلوٰۃ'' بمعنی نماز نہیں بلکہ احکامات الٰہی کا قیام ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 99 میں ''صلوٰت الرسول'' کا مرکب آیا ہے جس کے معنی ہیں رسول کی ''صلوٰۃ'' جس کا ترجمہ کرتے ہیں رسول کی دعائیں یعنی کسی طور پر یہاں صلوٰۃ کا ترجمہ نماز ہو ہی نہیں سکتا تھا اس لئے صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کی بجائے دعائیں کرنا پڑا۔

اگر صلوٰۃ کے بنیادی معنی پر جائیں تو یہ مسئلہ ہی نہ کھڑا ہوتا۔ صلوٰۃ کے بنیادی معنی جیسے پہلے عرض کیا ، کسی کے پیچھے پیچھے چلنا ہے۔ اس لئے رسول کی صلوٰۃ مومنوں پر ان کے کام کی تائید کرنا ہے اس لئے بعض تراجم دعائیں اور بعض رحمتیں وغیرہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے رسول کی تائید اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو اس پر رحمتیں ہی رحمتیں نازل ہونگی۔

سورۃ ھود

سورۃ ھود کی بنیاد احکامات الٰہی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے آیت نمبر 13 سے 19 تک جو اس سورۃ کا عمود ہے اور صرف اور صرف وحی الٰہی کی بابت ہے اور اسی عمود کی وضاحت کرتے ہوئے مختلف انبیاء کرام کی تعلیمات کو بطور دلیل پیش کیا جارہا ہے۔ سیدنا نوح کی تعلیمات 25 سے 49، سیدنا ھود کی تعلیمات 50 سے 60، سیدنا صالح کی تعلیمات 61 سے 67، سیدنا ابراہیم کی تعلیمات 69 سے 76 تک، سیدنا لوط کی تعلیمات 77 سے 83 تک، سیدنا شعیب کی تعلیمات 85 سے 95 تک اور آخر میں سیدنا موسیٰ کی تعلیمات 96 سے 99 تک مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئی بیان فرمائی ہیں۔ آیت نمبر 100 سے پھر رسالتماب کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ تمام بستیوں کی خبریں اس بات کی وضاحت کے لیے بتائی گئی ہیں کہ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے اور یہ موضوع آیت نمبر 109 پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر سورۃ اپنے عمود کی طرف لوٹتی ہے اور جس وحی الٰہی کی تعلیم کی ہدایت آیت نمبر 12 میں اور جس کی ترغیب آیات 13 تا 19 میں وارد ہوئی ہیں ان کو اختتامی کلمات سے اب مکمل کیا جا رہا ہے۔

دیکھئے آیت نمبر 12 میں رسالتماب کی اس حالت کو بیان کیا گیا ہے جو کفار کے اعتراضات کی وجہ سے ہو رہی تھی "فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ بَعْضَ مَایُوْحٰی اِلَیْکَ وَ

ضَـآئِقٌ بِہٖ صَدۡرُکَ " "پس کہیں تم وحی میں سے جو تمہارے پاس آئی ہے کچھ چھوڑ دو اور اس سے تمہارا دل تنگ ہو۔" جس کے جواب میں تمام تاریخی دلائل دیئے گئے اور اس کے بعد اب آیت نمبر 112 میں ارشاد ہوا......

"فَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ وَ مَنۡ تَابَ مَعَکَ وَلَا تَطۡغَوۡا ؕ اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ۝ وَلَا تَرۡکَنُوۡۤا اِلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ اَوۡلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ"

"پس تم کو جیسا حکم ہوا ہے اس پر تم اور تمہارے ساتھی قائم رہو اور حدود سے تجاوز نہ کرنا یقیناً وہ اس عمل پر نگاہ رکھے ہوئے ہے جو تم کرتے ہو اور ظالموں کی طرف نہ جھکنا کہ تم کو آگ پکڑ لے اور تمہارے لئے اللہ کے علاوہ کوئی دوست نہیں مزید یہ کہ تم مدد بھی نہ دیئے جاؤ گے اور صلوٰۃ کو قائم کرو دن کے دونوں حصوں میں اور رات کے پہلے حصے میں یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت والوں کے لئے۔"

ان آیات پر اگر تھوڑا سا غور کریں تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آیات احکامات الٰہی کی تعلیمات سے متعلق ہیں اور رسالتماب کو تمام انبیاء کی جدوجہد کے واقعات بتانے کے بعد حکم ہوا کہ جیسا تمہیں حکم ہوا ہے اس پر قائم رہو اور اس کے حصول کے لئے صلوٰۃ کو قائم کرو صبح سے رات تک۔

دیکھئے "طرف" کا ترجمہ عموماً کنارہ کیا جاتا ہے جبکہ قرآن نے "طرف" کے معنی خود متعین کیے ہیں مثلاً سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 127 میں "طــــرف" کے معنی حصہ ہے جہاں کہا گیا "لِیَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا ..." "تا کہ وہ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے" اس لیے سورۃ ھود کی آیت نمبر 114 میں صلوٰۃ کا قیام دن کے دونوں اطراف یعنی پورے دن پر محیط ہے اور یہی صلوٰۃ کا قیام رات کے پہلے

پہر میں کیا جائے گا۔ یعنی قیام صلوٰۃ کا عمل صبح سے لے کر رات تک مسلسل و پیہم رہنا چاہئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دن اور رات سے کیا مراد ہے۔ کیا اس زمین کے حوالے سے دن اور رات کا ذکر آیا ہے یا یہ کہ دن سے مراد وہ عرصہ دراز ہے جب احکامات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے جس کو سورۃ بنی اسرائیل میں دلوک الشمس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور رات سے مراد ظلمات کے اندھیرے ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا سورۃ ھود کی ابتداء اور تکمیل اس بات کی غماز ہے کہ اس سورۃ کا موضوع کتاب اللہ کے احکامات یعنی آیات الٰہی کی تبلیغ بحوالہ انبیاء ہے اس لئے نماز کے لئے اس سے استنباط کچھ عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔

سورۃ الرعد

سورۃ الرعد میں اقامت الصلوٰۃ کا لفظ آیت نمبر22 میں وارد ہوا ہے اس آیت میں اور ماقبل آیت میں اولوالالباب کے اوصاف بیان ہوئے ہیں آیت نمبر21 میں فرمایا گیا کہ اولوالالباب وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اس سے جو میثاق کیا ہے اس کو نہیں توڑتے۔ اور اللہ نے جس کا حکم دیا ہے کہ جوڑے رکھو اسے جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور احتساب کے نتائج سے ڈرتے ہیں اس کے بعد آیت نمبر22 میں فرمایا.....

"وَالَّذِيْنَ صَبَرُوْا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ"

"اور یہ اولوالالباب وہ ہیں جو استقامت سے رہے اور اپنے رب کی توجہات کو تلاش کیا اور صلوٰۃ کو قائم کیا اور اس میں سے جو ہم نے انہیں رزق عطا کیا چھپے ڈھکے یا اعلانیہ انفاق کیا اور اچھائیوں سے برائیوں کو دور کیا یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے عقب الدار ہے"۔

دیکھ لیجئے اس آیت میں بھی اگر صلوٰۃ کو نماز لیا جائے تو اسمیں بھی کہیں نماز کی نہ تو ماہیت ہے نہ اوقات اور نہ ہی نماز سے متعلق کوئی اشارہ۔ البتہ احکامات الٰہی کے تحت ایک نظم کو قائم کرنے والے ہی ان تمام اوصاف کے حامل ہوسکتے ہیں کیونکہ وہ شخص جو احکامات الٰہی کے تحت کسی نظم میں آتا ہے تو وہی ایسے اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے جب کہ نماز پڑھنے والا ہم دیکھتے ہیں کہ ان اوصاف سے خالی

بھی ہوسکتا ہے۔ جو اوصاف اللہ نے ارشاد فرمائے ہیں کہ یہ اولوالالباب میں ہوتے ہیں اگر کسی میں نہیں ہیں تو وہ نمازی کتنا ہی ہو ''الصلوٰۃ'' کا قائم کرنے والا نہیں ہے جس کا مطلب ہوا ''الصلوٰۃ'' نماز نہیں ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 110 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا"

"کہدو کہ تم اللہ کی دعوت دو یا رحمٰن کی جیسی بھی تم دعوت دو تو اس کے تمام اسماء انتہائی حسین ہیں۔ اورتم اپنی صلوٰۃ کو نہ تو جہری کرو اور نہ ہی اس کے ساتھ خفیف ہو اور اس کا درمیانہ راستہ تلاش کرو۔"

بنیادی طور پر سورۃ بنی اسرائیل قرآن سے متعلق ہے میں یہاں آپ کو دعوت دونگا کہ آیت نمبر 81 سے مطالعہ فرمائیے۔

آیت نمبر 81 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ الحق آگیا اور باطل غائب ہوا کیونکہ باطل تو ہے ہی برباد ہونے کے لیے اور ہم نے قرآن سے وہ اتارا جو مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالمین کے خسارہ میں ہی اضافہ کرتا ہے۔ یہی موضوع کچھ ضمنی احکامات کے ساتھ مابعد کی آیات میں وارد ہونے کے بعد آیت نمبر 88 میں ارشاد فرمایا اگر کہ انسان اور جنات اس بات پر جمع بھی ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لانے کی کوشش کریں پھر بھی وہ اس کی مثل نہیں لاسکتے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کے کتنے ہی پشت پناہ ہو جائیں ما بعد آیات میں رسالتماب کی قوم کا ردعمل بیان ہوا اور اس کے بعد اس کے نتائج سے آگاہ کیا اورآیت نمبر 101 میں موسیٰ کی مثال دے کر بتایا کہ موسیٰ کو بھی آیات بینات کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا تھا اور فرعون

کا ردعمل یہی تھا اس کے بعد کی آیات میں اس کے انجام سے آگاہ کیا اور آیت نمبر 105 میں ارشاد فرمایا ''ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا اور یہ برحق نازل ہوا اور تم کو صرف بشیر اور نذیر کے طور پر بھیجا ہے۔ اور قرآن کو ہم نے فرقان بنایا تا کہ تم اس کو بتدریج سمجھاؤ اور ہم نے نازل کیا جیسے نازل کرنے کا طریقہ ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا.....

''قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْلَا تُؤْمِنُوْا ط اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا o وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا o وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا o''

''کہدو کہ تم اس کے ساتھ مومن بنو یا نہ بنو یقیناً وہ لوگ جو اس سے پہلے ''العلم'' دیئے گئے جب ان کو یہ سمجھایا جاتا ہے تو وہ ''اذقان'' کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں ہماری جدوجہد رب کے لیے ہی ہے کہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہوکے رہنے والا ہے۔ اور وہ سرنگوں ہوتے ہیں ''اذقان'' کے لیے روتے ہوئے مزید اضافہ کرتا ہے انکی خشیت میں''

آیت میں لفظ ''اذقـان'' آیا ہے جس کا ترجمہ کیا گیا ہے تھوڑی کے بل حالانکہ لفظ آیا ہے ''لـلاذقـان'' ''تھوڑیوں کے لیے'' یعنی یہ سر کے بل یا سر جھکا کر سجدہ کرنے والی حالت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر سر کے بل سجدہ کرنے کی حالت ہوتی تو علی الـجبیـن یعنی پیشانی پر ہوتا۔ یا اگر لفظ ذقن کے معنی بھی چہرہ کرلیں تو بھی ''عـلـی الاذقـان'' ہوتا۔ نعاس جو کہ ایک عربی زبان کے محقق ہیں، کا قول ہے کہ انہوں نے ''حرف 'ل' کو بمعنی 'علیٰ' عربی زبان میں کہیں بھی مستعمل نہیں پایا'' (لغات القرآن از رشید نعمانی) اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ لـلاذقان کا مفہوم عـلـی الاذقان لیا جائے اسی طرح وہ تمام مقامات بھی محتاج تحقیق ہیں جہاں 'ل' کا مفہوم 'علیٰ' لیا جاتا ہے۔ لفظ ذقن بطور استعارہ مستعمل ہے مثلاً 'استعان بذقنه' اس نے کمزور سے مدد چاہی۔

جس سے معلوم ہوا کہ لفظ ذقن کسی کی کمزوری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ تھوڑی اور پیشانی ہمیشہ انسان کی کمزوری رہی ہے۔ آج بھی کسی سڑک پر دیکھ لیجئے پولیس والا جب چالان کر رہا ہوتا ہے تو ڈرائیور معافی مانگتے ہوئے اسکی ٹھوڑی کو چھو کر معافی مانگتا ہے یا گھر میں بچہ اپنے سے بڑے کی پیشانی چوم کر اظہار تشکر کرتا ہے۔ اس لیے "للاذقان" کے معنی ہونگے انسان کی کمزوری و پستی کو دور کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا۔ اگلی آیت میں ارشاد باری تعالی ہے کہ تم اللہ کی دعوت دو یا الرحمٰن کی دعوت دو بہرحال تم جو بھی دعوت دو تمام حسین اسماء یعنی اقدار و احکامات اسی کے لیے ہیں اور تم اپنی صلوٰۃ کو نہ تو جہری کرو اور نہ ہی خفیف کرو بلکہ درمیان کا راستہ اختیار کرو اور اعلان کرو کہ حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے جو نہ تو کوئی ولی عہد رکھتا ہے اور نہ ہی اس کی ملکیت میں کوئی شریک ہے اور نہ ہی اس کے لیے کوئی دوست ہے بوجوہ کسی کمزوری کے اور تم اس کی کبریائی قائم کرو جیسا کہ کبریائی قائم کرنے کا حق ہے۔ آیت نمبر 110 کی ترجمانی و مفہوم پیش کیا گیا ہے تاکہ تسلسل نہ ٹوٹے آیئے اب ان آیات کا عربی متن پیش کرتے ہیں اور ان کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے.....

"قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا"

دیکھئے اس آیت سے پہلے جیسا کہ آپ نے دیکھا قرآن کی ہی بات چلی آرہی ہے اور اسی سلسلے سے ارشاد ربانی ہے کہ..... جب بھی اہل علم کے سامنے ان آیات کو پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس کے آگے خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے سجدہ ریزی زمین پر گرنے کے بعد نہیں ہوتی بلکہ احکامات الٰہی کو بے چوں و چراں ماننے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے سجدہ ریزی کا حق ادا ہوتا ہے۔

اور یہی وہ دعوت ہے جسے اللہ کی دعوت کہا گیا۔ اور جس کے لیے کہا گیا کہ تم خواہ اللہ کی دعوت دو یا اس کی ایک اہم صفت الرحمٰن کی دعوت دو۔ خواہ کوئی بھی دعوت ہو بنیادی بات تو یہ ہے کہ اللہ کے تمام ''اسماء'' یعنی احکامات و اوصاف انتہائی حسین اور رحمت سے بھرپور ہیں۔ اور یہی دعوت اسماء الحسنٰی ہی رسالتماب کی دعوت صلوٰۃ تھی جسکو کہا گیا کہ تم اپنی ''صلوٰۃ'' کو نہ تو جہری کرو اور نہ ہی خفیف بلکہ درمیانہ راستہ اختیار کرو۔

یہاں ایک بات نوٹ کر لیجئے کہ اسماء الحسنٰی اللہ کے اسماء یعنی اللہ کے نام سے کیا مفہوم یا تصور آتا ہے دیکھئے ایک تو یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے اللہ کے 99 ناموں کا ورد کرنا جس طرح سب مذاہب میں چند الفاظ ہوتے ہیں جن کو دہرایا جاتا ہے اور ایک دوسرا تصور ہے کہ انہی ناموں کی بنیاد پر ایک اصلاحی فلاحی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ اللہ نے اپنے آپ کو علیم، خبیر، رحمٰن، مومن، سلام وغیرہ اس لئے نہیں بیان کیا کہ وہ اپنی تعریف کروانا چاہتا ہے۔ یہ تو نہایت ہی قبیح تصور ہے اور بادشاہوں کی عادت ہے کہ ان کے درباری ہر وقت ان کی خوشامد میں انکی تعریف و توصیف بیان کرتے رہیں۔ بلکہ اللہ کی صفات کا بیان اصلاً ایک اصلاحی فلاحی معاشرہ قائم کرنا ہے جس میں الٰہی صفات منعکس ہوں۔ غور کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان اسماء کے پیچھے پورے قرآن کی تعلیمات پنہاں ہیں اس لیے اللہ کی تعلیمات یعنی اس کے احکامات کی دعوت اس کے کسی حکم کے ذریعے دو یا اسکی صفات کے ذریعے بات ایک ہی ہے اب خود دیکھ لیجئے کہ رسالتماب کی صلوٰۃ کیا تھی یہاں اللہ پاک نے الرحمٰن کی صفت کی اہمیت بتا کر صرف یہ سمجھایا ہے کہ پسی ہوئی انسانیت کی سربلندی کے لئے اللہ کی صفت رحمت کی دعوت دو۔ اس دعوت سے انسانیت سے ظلم دور ہوگا۔ البتہ یہ دعوت نہ تو اونچی آواز سے ہو کہ دشمن شروع ہی میں اس دعوت کو ختم

کردے اور نہ ہی اتنی خاموشی سے ہو جو اپنا اثر بھی نہ کر سکے۔

اس آیت سے نماز تو قطعاً ماخوذ نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ نماز یا تو جہری ہوتی ہے (جیسے فجر، مغرب اور عشاء) یا پھر سری ہوتی ہے (جیسے ظہر اور عصر) جبکہ صلوٰۃ نہ تو سری ہوگی اور نہ ہی جہری۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 78 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ"

"نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک"

اس آیت میں مترجمین نے دلـــوک کو نصف النہار کے بعد سورج کے نیچے کی طرف ڈھلک جانے تک محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ دلوک آفتاب کی ہر ہر لمحہ بدلتی ہوئی حرکت کو کہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ علماء نے 'دلـــوک' کے معنی میں بھی اختلاف کیا ہے کوئی اس کو نماز ظہر کا وقت کہتا ہے اور کوئی نصف النہار کے فوراً بعد کے اوقات کو دلوک کہتا ہے اور کوئی غروب آفتاب سے فوراً پہلے کے اوقات کو دلوک کہتا ہے اور عصر کی نماز اخذ کرتا ہے مزید یہ کہ کوئی اس کو مصدر مانتا ہے اور کوئی دلک کی جمع۔ اگر ایک لمحہ کے لئے مان بھی لیا جائے کہ دلوک کا مفہوم نصف النہار کے بعد سورج کی حرکات ہیں تو اس طرح بھی نصف النہار کے بعد ہر ہر دلک پر ایک نماز بن جائے گی۔ اگر ہر منٹ بعد ایک دلک قیاس کیا جائے تو ہر گھنٹے میں 60 نمازیں بن جائیں گی۔ اس کا مطلب ہوا کہ صرف ظہر اور عصر کی نماز کو کافی سمجھنا غلط ہے۔ اصلاً تو جائے نماز سے اٹھنا ہی نہیں چاہئے۔ دلوک کی مزید تفصیل کے لئے علامہ رشید نعمانی کی لغات القرآن ملاحظہ فرمایئے۔ علامہ پرویز کی لغات القرآن بھی شاہد ہے کہ دلوک کے معنی نصف النہار کے بعد کے اوقات نہیں ہیں۔ علامہ نے دلوک پر بحث کے بعد بڑے صاف الفاظ میں لغات القرآن کے صفحہ نمبر

664 پر لکھا ہے۔ ''ان تمام معنی سے واضح ہے کہ اصل معنی اس مادہ کے حرکت کرنے ہی کے ہیں لہٰذا جب آفتاب طلوع صبح سے دوپہر تک بلند ہو جاتا ہے تو اسے بھی دلوک کہیں گے (جیسا کہ نوادر الاعراب کے حوالے سے اوپر لکھا گیا) اور جب وہ نصف النہار تک پہنچ کر نیچے کی طرف حرکت کرے گا (یعنی ڈھلکنا شروع ہوگا) تو اسے بھی دلوک ہی کہیں گے۔''

مکمل آیت کو اگر دیکھ لیا جائے تو بات اور بھی کھل کر سامنے آ جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل و قرآن الفجر ط ان قرآن الفجر کان مشھودا o''

''احکامات الٰہی یعنی روشنی کے قرآن کو قائم رکھو شمس کے ہر بدلتے لمحے کے ساتھ حتی کے لیل گہری ہو۔ یقناً روشنی کا قرآن گواہ ہے۔''

آخری جملے میں علامہ پرویز دلوک کی بحث کو سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں..... ''اس اعتبار سے اس آیت (17/78) میں بھی اقامت صلوٰۃ کے معنی فرائض زندگی کی سر انجام دہی یا قرآنی نظام کے قیام کے لئے جائیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آغاز کار سے پہلے (ہر روز صبحدم) یہ دیکھو کہ زیر نظر پروگرام کے لئے قرآن کی طرف سے کیا راہنمائی ملتی ہے۔ (یہ قرآن الفجر ہوگا) اور پھر صبح سے شام تک اس پروگرام کی تکمیل میں مصروف کار رہو یہ اقامت صلوٰۃ دُلُوْکِ الشَّمْسِ سے غَسَقِ الَّیْل تک ہوگا۔''

سورۃ مریم

سورۃ مریم کی آیت نمبر 31 میں ارشاد ربانی ہے.....

"قَالَ اِنِّی عَبۡدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا o وَجَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمۡتُ حَیًّا"

سیدنا مسیح نے ''کہا یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے الکتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا اور مجھے مبارک کیا گیا جہاں کہیں بھی ہوں۔ اور مجھے 'الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ' کا حکم دیا گیا جب تک میں حیات ہوں۔''

دیکھ لیجئے اسمیں سیدنا مسیح اپنی نبوت کے اعلان کے بعد بتا رہے ہیں کہ مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم ملا ہے نہ اسمیں انہوں نے بتایا کہ کس طرح صلوٰۃ (اگر نماز ہے تو) پڑھی جائے گی یا کب کب پڑھی جائے گی اور اسی طرح آیت نمبر 59 میں بیشتر انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ ان کے بعد آنے والوں نے صلوٰۃ کو ضائع کیا اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔ ارشاد ربانی ہے.....

" فَخَلَفَ مِنۡ بَعۡدِ ہِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّہَوٰتِ فَسَوۡفَ یُلۡقَوۡنَ غَیًّا o"

''پس ان کے بعد آنے والوں نے اختلاف کیا اور صلوٰۃ کو ضائع کیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے پس یقیناً یہ ڈالے جائیں گے گمراہی میں۔''

دیکھ لیجئے اس آیت میں بھی نماز سے متعلق کوئی بات نہیں کہی گئی۔

سورۃ مریم کی ہی آیت نمبر 55 میں سیدنا اسماعیل کے حوالے سے ارشاد باری

تعالیٰ ہے کہ وہ بھی اپنے اہل کو ''صلوۃ'' کا حکم کرتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے ملاحظہ فرمائیے.....

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝

''وہ اپنے اہل کو حکم کرتے تھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے''

اس آیت میں میں بھی مفسرین نے ''صلوٰۃ'' کا ترجمہ نماز کیا ہے جس کی وجہ سے یہاں سے نماز ماخوذ کی جاتی ہے ورنہ یہاں بھی ایک الٰہی احکامات پر مبنی نظم کی بات ہو رہی ہے۔

مناسب رہے گا کہ آل عمران کی آیت نمبر 39 کا بھی اس جگہ مطالعہ کر لیا جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ

''پس اس کو ندا دی ملائکہ نے جب کہ وہ قائم تھے اور محراب کے معاملے میں صلوٰۃ ادا کر رہے تھے''

اگر تو ذہن میں تصور ہو کسی عبادت کا تو ''صلوٰۃ'' کا ترجمہ عبادت ہوگا لیکن جس طرح قرآن ''صلوٰۃ'' کا تصور الٰہی احکامات کے ذریعے معاشرہ کے قیام کا دیتا ہے تو اس کا مفہوم اسی لحاظ سے ہوگا اور محراب سے مراد عبادت گاہ کے محراب و گنبد نہیں بلکہ وہ جنگی ساز و سامان جن کے ذریعے جنگ کی جائے گی یعنی جنگی چوکی یا سامان حرب ہوگا۔ اس آیت میں مفعال کے وزن پر محراب ہے اور مادہ ''ح ر ب'' ہے جس کے معنی جنگ ہیں۔ اس لئے محراب کے معنی ہیں وہ آلہ جنگ جس سے لڑائی لڑی جائے۔

سورۃ طٰہٰ

سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر132 میں ارشاد ربانی ہے.....

"وامُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا ط لَانَسْئَلُکَ رِزْقاً ط نَحْنُ نَرْزُقُکَ ط وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰیo"

"اپنے اہل کو صلوٰۃ کا حکم دو اور اس پر ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے کوئی رزق کا سوال نہیں کرتے بلکہ ہم تم کو رزق عطا کرتے ہیں اور انجام تو تقوی کا ہے"

ان آیات کو سمجھنے کے لئے آیت نمبر124 سے دیکھنا ہو گا کہ کیا موضوع آرہا ہے آیات 124 سے 126 تک میں بتایا گیا کہ جو بھی میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کی معیشت تنگ ہوگی اور یوم القیامۃ کو اندھا جمع کیا جائے گا جس پر وہ کہے گا کہ میں تو بڑا بابصیرت تھا مجھے کیوں اندھا کیا گیا جس کے جواب میں رب فرمائے گا کہ تیرے پاس میری آیات آئیں تھیں تو تو نے انہیں بھلائے رکھا پس آج تو بھی بھلا دیا گیا۔ اس طرح سے ہم اسراف کرنے والے کو اور رب کی آیات کے ساتھ اہل ایمان نہ بننے والے کو سزا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو اس سے بڑھ کر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اہل عقل کے لئے ان مساکن میں عبرت ہے جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا اگر تیرے رب کے قانون میں پہلے ہی سے ڈھیل نہ ہوتی تو ان مخالفین کا بھی ویسا ہی حشر ہو چکا ہوتا۔

اس کے بعد ارشاد ربانی ہے.....

"فَاصْبِرْ عَلٰی مَایَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ

غُرُوْبِهَا ۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى"

"پس تم ان باتوں کی جو لوگ کہتے ہیں پرواہ نہ کرو اور استقامت سے کھڑے رہو۔ صبح شام اور رات اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں لگے رہو یعنی دن کے تمام اوقات میں تسبیح کرو تاکہ تم راضی ہو۔"

دیکھئے اس آیت میں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہی نہیں ہے اس لئے یہ بات صلوٰۃ کے موضوع سے ہٹ کر ہوگی۔ البتہ بعض تراجم میں تسبیح اور حمد کو نماز کے ہم معنی لیا گیا ہے اور تسبیح کے معنی کسی مالا کے دانوں پر کچھ الفاظ کی تکرار بھی بتایا جاتا ہے حالانکہ تمام حجروشجر بھی تسبیح کرتے ہیں ہم کو تو ان کی تسبیح الٰہی احکامات کے مطابق جو ان کے لئے متعین کئے گئے ہیں ان پر قائم رہنا نظر آتی ہے حجروشجر تو کوئی مالا کے دانوں پر چند الفاظ کی تکرار نہیں کرتے۔ وہ تو انہی احکامات پر کاربند ہیں جس پر ان کو پابند کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ کیا نماز کے ذریعے کفار کی سازشوں کا توڑ ہوسکتا ہے؟ کیا رسالتماب نے کفار کی تمام سازشیں اور دشمنی کا جواب نماز پڑھ کر یا تسبیح کے دانوں پر چند مخصوص الفاظ کی تکرار سے دیا تھا؟ یا یہ کہ اللہ کی حاکمیت کو قائم کرکے دیا تھا جس کے لئے نہ صرف معاشرہ میں داخلی طور پر امن کو قائم کیا بلکہ بیرونی خلفشار سے بچنے کے لئے جنگیں بھی لڑنا پڑیں اور اللہ کے احکامات کو قائم کیا۔

سورہ ق

اس جگہ سورۃ ق کی آیت نمبر39 اور 40 کا بھی مطالعہ بہت موزوں رہے گا کیونکہ یہی موضوع جو سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر130 میں گزرا پھر ایک دفعہ سورۃ ق کی مذکورہ آیات میں آیا ہے ارشاد ربانی ہے.....

"فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ

الْغُرُوْبِ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِo"

"پس تم ان کی باتوں کی پرواہ نہ کرو اور استقامت سے صبح و شام اور رات کے عرصے میں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں لگے رہو پس تسبیح کرو تمام سجدوں کے بعد"

ان آیات سے ما قبل کفار کے متعلق ارشاد ہوا "ہم نے ان سے پہلے بھی کتنی بستیوں کو ہلاک کیا جو ان سے زیادہ قوت والے تھے انہوں نے بستیوں میں بہت بھاگ دوڑ کی لیکن ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ اس بات میں اس کے لئے نصیحت ہے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور جو مشاہدہ کرتا ہو۔ یقیناً اس کائنات کو اور جو کچھ اس میں ہے ہم نے چھ ادوار میں تخلیق کیا اور ہمیں کسی کمزوری نے نہیں چھوا۔"

دیکھئے ان آیات میں اللہ پاک نے جن کو ہلاک کیا ان کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ تھے جو بہت قوت والے تھے اور انہوں نے تمام بستیوں میں اپنی سی کوشش کرلی پھر بھی کوئی جائے پناہ نہ پائی اس لئے کہ خالق کائنات اپنی مخلوق کے سامنے کمزور نہیں ہے اس نے تو پوری کائنات کو چھ ادوار میں تخلیق کیا اور اس تخلیق میں اس کو کوئی کمزوری نہ ہوئی تو انسان کیونکر اس کو عاجز کرسکتا ہے اس کے بعد زیر مطالعہ آیت وارد ہوئی کہ تم بھی کفار کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر استقامت سے کھڑے رہو اور صبح و شام اور رات کو یعنی دن کے تمام پہر اس کی حاکمیت کے لئے مصروف جدوجہد رہو اور تمام تر سجدہ ریزی کے پیچھے جدوجہد جاری رکھو۔

دیکھئے یہاں پر تسبیح بالحمد یا تسبیح کے معنی نماز کسی صورت نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ کام تو سجدوں کے بعد ہو رہا ہے۔ یعنی سجدہ کو اگر نماز لیا جائے تو تسبیح سجدہ کے بعد ہے اور اگر تسبیح کو نماز لیا جائے تو نماز سے پہلے سجدہ کیا معنی؟

اس کا مطلب ہے کہ نہ تو تسبیح نماز ہے اور نہ ہی سجدہ سے مراد نماز ہے بلکہ تسبیح وہی تسبیح ہے جو ساری کائنات کر رہی ہے۔ یعنی احکامات الٰہی پر کاربند ہے اور سجدہ وہی سجدہ ہے جو تمام شجروحجر کر رہے ہیں یعنی احکامات الٰہی کے آگے سرنگوں ہیں۔ لیکن اگر دن اور رات کے معنی مجازی لئے جائیں تو مفہوم ہوگا کہ وحی الٰہی کی روشنی پھیلی ہو یا اس کو پس پشت ڈال دیا گیا ہو یعنی ظلم کے اندھیرے ہوں، تمام وقت وحی الٰہی کے لئے سرنگوں رہو اور اس کے لئے مصروف جدوجہد رہو۔

سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر 130 اور سورۃ ق کی آیت نمبر39 اور 40 کا مطالعہ کرنے کے بعد واپس سورۃ طٰہٰ کی زیر مطالعہ آیت نمبر- 132 131 کی طرف آتے ہیں کیونکہ 130 کے بعد ہی اس آیت میں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اس لیے اس آیت کے تسلسل میں ہی اس کو دیکھیں گے۔ آیت 130 کے حوالے سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ دشمنان اسلام نے رسالتماب کو ستایا ہوا تھا جس کے توڑ کے لیے ارشاد ربانی ہوا کہ تم ان لوگوں کی پرواہ نہ کرو بلکہ جس کام پر تم لگے ہو اسکی جدوجہد دن رات کرتے رہو اب آگے آیت نمبر131 اور 132 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۔ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۔ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۔ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝

"اور تم ان لوگوں کی طرف نہ دیکھو جن کو ہم نے دنیاوی زندگی کی خوبصورتی سے بہرور کیا ہے تا کہ ان کو آزمائیں کیونکہ تیرے رب کا رزق اچھا اور باقی رہنے والا ہے۔"

اس کے بعد آیت نمبر132 میں فرمایا کہ.....

"اپنے اہل کو صلوٰۃ کا حکم کرتے رہو اور اس پر قائم رہو ہم تم سے کسی رزق کا مطالبہ نہیں کرتے ہیں بلکہ ہم تم کو رزق عطا کرتے ہیں اور نتیجہ تو اہل تقوٰی کے

لیے ہی ہے۔"

دیکھ لیجئے اس میں بھی صلوٰۃ کو اگر نماز کے معنی میں لیں تو بھی اس آیت میں نہ تو نماز کی ماہیت اور نہ ہی اوقات وغیرہ سے متعلق بات کی گئی ہے بلکہ اس میں کفار کے توڑ کے لیے خواہ انکو کتنی ہی دنیا کی آسائش نصیب ہو الصلوٰۃ پر ڈٹے رہنے کا حکم ہے۔ اور رسالتماب کا اسوۃ اس بات پر گواہ ہے کہ انہوں نے کفار کے مظالم کا جواب نماز پڑھ کر نہیں بلکہ وحی الٰہی کی بنیادوں پر ایک عدل و انصاف کا نظم قائم کرکے دیا۔

سورۃ الانبیاء

سورۃ الانبیاء میں صلوٰۃ کا لفظ صرف ایک مرتبہ آیت نمبر 73 میں وارد ہوا ہے اس سورۃ میں مختلف انبیاء کے حوالے سے ان کی اقوام کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ سیدنا ابراہیم، لوط، اسحاق اور سیدنا یعقوب کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا.....

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ o"

"اور ہم نے انکو آئمہ بنایا کہ وہ ہدایت دیتے تھے ہمارے حکم کی اور ہم نے وحی کی انکی طرف اچھے افعال کی اور اقامت صلوٰۃ کی اور ایتاء زکوٰۃ کی اور وہ ہمارے لئے عبدیت اختیار کرنے والے تھے۔"

دیکھئے اس آیت میں بھی ارشاد ہوا کہ یہ لوگ ہمارے حکم کے ذریعے اپنی قوم کے لیڈر بنے اور لوگوں کو صحیح راستے پر چلاتے تھے جس کو اگلے حصے میں تفصیلاً بتایا کہ ہم نے جو احکامات دیئے تھے وہ افعال خیر اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کے تھے یہاں پر کسی بھی عبادت سے متعلق نہ تو ماہیت کا ذکر ہے اور نہ ہی اوقات کا۔

سورۃ الحج

سورہ الحج کی آیات 77 اور 78 کا حوالہ عموماً دیا جاتا ہے کہ دیکھئے اس میں نہ صرف عبادت کا لفظ آیا ہے بلکہ اس میں تمام ارکان نماز یعنی سجدہ، رکوع، عبادت اور صلوٰۃ ایک ہی جگہ جمع ہوگئے ہیں۔ آیئے ان آیات کا بھی جائزہ لے لیتے ہیں اور غور کرتے ہیں کہ کیا یہاں سے نماز اخذ کی جاسکتی ہے ملاحظہ فرمایئے ارشاد ربانی ہے......

یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ ا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوْاالْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ o وَجَاھِدُوا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوا جْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ط ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِی ھٰذٰالِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْداً عَلَیْکُمْ وَ تَکُوْنُوا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ فَاَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰہِ ط ھُوَ مَوْلٰکُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ o

''اے اہل ایمان رکوع کرو سجدہ کرو عبادت کرو اپنے رب کی اور افعال خیر کرو تاکہ تم فلاح یاب ہو اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسے کہ جہاد کا حق ہے اللہ نے تم کو چن لیا ہے اور تمہارے لئے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی وہ ملت جو تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اللہ نے تمہارا نام اس قرآن سے پہلے اور اس میں مسلمین رکھا ہے تاکہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔ پس اقامت صلوٰۃ کرو ایتاء زکوٰۃ کرو اور اللہ سے چمٹ جاؤ وہ تمہارا مولیٰ ہے اور کیا ہی

نعمتوں والا مولیٰ اور نعمتوں والا مددگار ہے"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آیت شروع ہی رکوع اور سجدہ کے حکم سے ہو رہی ہے جس سے مراد اگر نماز لی جائے تو بات مکمل ہوگئی اور نماز پڑھ لی گئی لیکن آگے پھر حکم ہوا "اعبدوا" (عبادت کرو) ظاہر ہے نماز عبادت ہے تو اب پھر سے کون سی عبادت کا حکم دیا جا رہا ہے اور اگر اس عبادت کے حکم میں نماز کی عبادت پھر سے شامل ہے تو عجیب سی تکرار ہے ورنہ نماز عبادت سے خارج ہے؟

لیکن بفرض محال اگر رکوع سے بھی نماز، سجدہ سے بھی نماز اور عبادت سے بھی نماز کو مان لیا جائے تو آگے افعال خیر اور جہاد کے فریضے کو شہادت علی الناس کے مقام تک پہنچانے کا حکم ہے اس کے بعد پھر ارشاد ربانی ہے پس اقامت صلوٰۃ کرو۔ اب یہ مزید ایک مرتبہ "اقامت صلوٰۃ" کا حکم کس نماز کے لئے دیا جا رہا ہے کیا پہلے جو رکوع اور سجدہ اور عبادت کرائی گئی وہ نماز نہ تھی یا اگر وہ سب کچھ نماز کے بارے میں ہی تھا تو یہ "الصلوٰۃ" کیسے نماز ہوگئی۔

دیکھئے ان آیات میں اقامت صلوٰۃ سے پہلے "پس" بہت اہم ہے۔ لفظ پس اسی وقت بولا جائے گا جبکہ ماقبل کسی بات کی شرط ہوگی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک اصلاحی فلاحی معاشرہ کی تشکیل کے شروع سے لیکر اختتام تک کے تمام مراحل کا بیان ہے۔

اگر ایک اصلاحی فلاحی خوشحال معاشرہ قائم کرنا ہے تو سب سے پہلا مرحلہ رکوع کا ہے یعنی احکامات الٰہی کے لئے آمادگی کا اظہار ہے۔ انسان جب بھی جھکتا ہے تو وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس نے جو کچھ سنا ہے اس پر اس نے آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ اگلا مرحلہ یقیناً ان احکامات کے لئے ہر وقت روبہ عمل ہونے کا ہے جس کو سجدہ کہا گیا ہے کہ انسان کا آمادگی کے بعد اپنے آپ کو ان احکامات کے لئے

سرنگوں کر دینے کا اظہار سجدہ ہے اور تیسرے مرحلے میں عبدیت کا حکم بمعنی معاشرہ میں احکامات الٰہی کے ذریعے نظام ربوبیت کو قائم کرنا ہے۔ مزید یہ کہ افعال خیر کرو تاکہ ایک صحیح معنوں میں فلاحی معاشرہ قائم ہو اور انسانیت کے لئے ایک نمونہ قائم ہو جسے شہادت علی الناس کہا گیا اگر ان سب مراحل سے گزرنا ہے اور ان سب کاموں کے خواہشمند ہو تو ''پس اقامت صلوٰۃ کرو اور ایتاء الزکوٰۃ کا فریضہ انجام دو''

''پس اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ'' سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ سب اعمال و افعال جو اقامت صلوٰۃ سے پہلے بیان ہوئے انجام کار اقامت صلوٰۃ ایتاء زکوٰۃ سے حاصل ہوں گے۔ مختصراً یہ کہ ان آیات میں اصلاً معاشرہ کے قیام کی جدوجہد کے تمام مراحل گنوائے گئے ہیں۔

سورۃ الحج کی آیت نمبر 35 میں اللہ تبارک وتعالیٰ ''مخبتین'' یعنی انکساری کرنے والوں کی خاصیت بتا رہے ہیں ارشاد ربانی ہے.....

''اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَاللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآاَصَابَھُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ o''

''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل نرم پڑتے ہیں اور یہ استقامت اختیار کرنے والے ہیں اس پر جو ان کو پہنچتا ہے اور صلوٰۃ کے قائم کرنے والے ہیں اور جو رزق ہم نے عطا کیا ہے اس میں سے انفاق کرنے والے ہیں۔''

دیکھ لیجئے! یہاں عاجزی کرنے والوں کو صلوٰۃ کا قائم کرنے والا کہا گیا ہے اس جگہ بھی نہ تو نماز کی ماہیت کا ذکر ہے اور نہ ہی اوقات کا۔

سورۃ الحج کی آیت نمبر 44 میں بھی لفظ ''صلوٰۃ'' آیا ہے جس کا ترجمہ احمد رضا خان صاحب، ابوالاعلیٰ مودودی اور امین احسن اصلاحی صاحب کے نزدیک صلوٰت ''صلاۃ'' کی جمع ہے یہ لفظ یہود کے کنیسوں کے لئے آتا ہے عبرانی میں اس کی

اصل 'صلوتا' ہے''۔ یہی موقف غلام احمد پرویز صاحب کا ہے۔ آیئے آیت کا مطالع کرتے ہیں جس کے لئے ہمیں آیت نمبر 39 بھی دیکھنی ہوگی۔ ملاحظہ فرمایئے ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ o الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ط وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا ط وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ o''

''اجازت دی گئی لوگوں کو جنگ کرنے کی، بسبب اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قدیر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے بلاوجہ نکالے گئے صرف اس پاداش میں کہ انہوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ اور اگر اللہ انسانوں میں سے ایک دوسرے کا دفع نہ کرے تو ضرور ڈھادی جائیں صوامع اور بیعٌ اور صلوٰت اور مسجد جس میں ذکر کیا جاتا ہے اللہ کے اسم کا کثرت سے اور بے شک اللہ ضرور اسکی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ قوت والا غالب ہے''

دیکھئے ان آیات میں چار لفظ آئے ہیں جن میں ایک لفظ صلوٰت ہے وہ چار الفاظ یوں ہیں۔ ''صوامع ، بیع ، صلوت اور مسجد''

صوامع ..... کا مادہ ''ص م ع'' ہے جس کے معنی معزز اہم ترین مقام پر فائز ہونے والا ہوتے ہیں۔

بیعٌ..... کا مادہ ''ب ع ی'' سے ہے جس کے معنی عہد کرنے کے ہیں۔ اس لفظ سے لفظ بیعت بھی ہے اور اس کے معنی تجارت کے ہوتے ہیں۔

صلوت ..... کا مادہ ''ص ل و'' ہے جس کے معنی ہم پہلے ہی متعین کر چکے ہیں

یعنی احکامات الٰہی کے تحت ایک معاشرہ کا قیام اور مسجد وہ احکامات یا جگہ جن کے ذریعے معاشرہ قائم ہو۔

اس کا مطلب ہے کہ جب ظلم کا دور دورہ ہوتا ہے تو سب سے اہم ترین مقام پر فائز ہونے والے ہٹا دئے جاتے ہیں انکی جگہ ظالم لوگ آجاتے ہیں۔ تجارتی مراکز اور عہد و پیمان توڑ دیئے جاتے ہیں۔ معاشرہ کا بیڑا غرق ہوجا تا ہے اور احکامات الٰہی پس پشت ڈال دئے جاتے ہیں۔

اتنی وضاحت صرف اس لئے کی گئی کہ بات واضح ہو جائے ورنہ عمومی تراجم کی غلطی تو اس طرح بھی واضح ہے کہ اگر ''صلوٰۃ'' یہودیوں کی عبادت گاہ ہے تو مسلمانوں کی صلوٰۃ کو یہودی نماز کیوں نہ کہا جائے۔

سورۃ النور

سورۃ نور کی آیت نمبر 58 میں بھی نہ تو نماز کی ماہیت بتائی گئی ہے اور نہ ہی نماز کے اوقات۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صلوٰۃ کے عملی پہلو کی جانب اشارہ ہے کہ زمانے کے لحاظ سے کس طرح حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے کس زمانے میں وحی الٰہی کے قیام کی جدوجہد کرنی ہے آیئے اس آیت کا مطالعہ کریں۔ ارشاد ربانی ہے.....

"یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ط مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ وَمِنْ م بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ ط ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ ط لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَلَا عَلَیْھِمْ جُنَاحٌ" بَعْدَ ھُنَّ ط طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الاٰیٰتِ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌo"

"اے ایمان والو وہ لوگ جو تمہارے ملک یمین ہیں اور تم میں سے وہ لوگ جو ابھی بردباری کو نہیں پہنچے تین اوقات میں لازماً تم سے اجازت طلب کریں صلوٰۃ الفجر سے پہلے اور اس وقت جب تم اپنے ثیاب کو ظہیرہ کے وقت وضع کرتے ہو اور صلوٰۃ العشاء کے بعد۔ تمہارے لئے یہ تین پردے کے اوقات ہیں اس کے بعد نہ تم پر کچھ پابندی ہے اور نہ ہی ان پر، تم لوگ ایک دوسرے پر چکر لگانے والے ہو اسی وجہ سے اللہ تمہارے لئے آیات بیان کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔"

دیکھئے اس آیت میں چند باتیں غور طلب ہیں

۱) وہ لوگ جو ملک یمین ہیں اور وہ لوگ جو برد بار ''حلیم'' نہیں ہیں وہ اس محفل میں شرکت سے معذوری کا اظہار کریں۔

۲) وہ لوگ جو ابھی بردبار نہیں ہیں وہ تم میں سے ہیں۔ لفظ منکم ''تم میں سے'' آیا ہے یہ لفظ بچوں کے لیے نہیں بولا گیا ہے۔ اگر بچے مراد ہوتے تو اطفالکم یا اولادکم کے الفاظ زیادہ موزوں ہوتے۔ آیت نمبر 59 میں اطفال کا لفظ انہی لوگوں کے لئے بولا گیا لیکن "اطفالکم" ''تمہارے اطفال'' نہیں بولا گیا۔ بلکہ "الاطفال منکم" تم میں سے اطفال کہا گیا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ لوگوں میں بھی "اطفال" ہوتے ہیں۔ یعنی ایسے لوگ جو ابھی ذہنی طور پر حلیم و بردبار نہیں ہیں۔

۳) تضعون کا لفظ وضع کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے کپڑے اتارنے یا جوتے اتارنے کے لیے خلع کا لفظ معروف ہے اور قرآن نے بھی سورۃ طٰہٰ میں اخلع نعلیک ''اپنی جوتی اتار'' (یا اگر محاورے کے معنی میں لیں تو جوتے چٹخانہ بند کر) استعمال کیا ہے۔

۴) ثیابکم میں "ثیاب" کا لفظ ''ث و ب'' کے مادہ سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹانے کے ہیں اور اسی مادہ سے ثواب بھی ہے یعنی وہ واپسی جو اللہ کسی انسان کے عمل کے نتیجے میں کرتا ہے یہ اچھے معنی میں اہل ایمان کے لئے بولا جاتا ہے اور اہل کفر کے لئے برے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے سورۃ المطففین میں آیت نمبر 36 میں ارشاد ہوا..... "هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَاكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ" کافر لوگ وہی بدلہ دیئے گئے جو وہ کرتے تھے۔

آئندہ کے لائحہ عمل کے نتائج کو بھی ثواب کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ المدثر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے..... وثیابک فطھر اور اپنے لائحہ عمل کو برائیوں سے پاک

رکھو۔۔۔۔۔ کیا رسالتماب کے کپڑے گندے تھے کہ ان کو دھونے کی ضرورت تھی؟ یہ ایک انتہائی ناقص تصور تو ہو سکتا ہے لیکن رسالتماب کی شخصیت کے لیے قطعاً موزوں نہیں اس لئے ''ثوب'' کے معنی اپنے ارادے، لائحہ عمل اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج ہوتے ہیں۔

۵) ''من الظھیرہ'' (الظھیرہ سے) دیکھئے اگر صلوٰۃالفجر اور صلوٰۃالعشاء سے مراد نماز فجر اور نماز عشاء لی جائے تو یہاں بھی صلوٰۃ الظھر کا لفظ ہونا چاہئے تھا من الظھیرہ کے الفاظ ہی یہ بتا رہے ہیں کہ یہاں نماز ظہر نہیں ہے اسلئے ظھیرہ کے معنی بھی اس کے بنیادی مادہ سے معلوم کرنا ہونگے۔

لفظ ظھیرہ ''ظ ھ ر'' کے مادہ سے بنا ہے اور فعیل کے وزن پر مونث کا صیغہ ہے۔ ظھیر وہ شخص ہوتا ہے جسمیں غلبے کی صفات یا ظاہر ہونے کی صفات ہوں۔ ظ ھ ر کے بنیادی معنی غلبے کے ہیں۔ چونکہ غلبے کی صورت میں کوئی شخص پوری آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ خواہ غلبہ مادی ہو یا صفاتی۔ اس لیے یہ لفظ ان کیفیات کے لئے آیا ہے جو غلبہ کا موجب بنتی ہیں۔

٦) صلوٰۃ الفجر ''الفجر کی صلوٰۃ'' الفجر کا لفظ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 78 میں بھی وارد ہوا ہے جہاں ''قرآن الفجر'' کو قائم کرنے کے لیے حکم ہوا ہے۔ فجر کہتے ہیں کسی چیز کے پھٹنے کو، اندھیروں سے جب صبح کی روشنی پھوٹتی ہے تو ایسے وقت کو فجر کہا جاتا ہے۔ اس لیے ''قرآن الفجر'' کے معنی ہیں روشنی کے طلوع ہونے والا قرآن یعنی نئی صبح کا قرآن اور صلوٰۃ الفجر کے معنی ہیں اس صبح کے متعلق احکامات الٰہی کے تحت متشکل ہونے والا نظام صلوٰۃ العشاء بھی وہ نظام ہے جو العشاء کا ذمہ دار ہو یعنی احکامات الٰہی کو چھپا دینے کا باعث ہو۔

آیئے اب ان آیات کا دوبارہ مطالعہ کرتے ہیں اہل ایمان سے کہا گیا کہ ''اے

اہل ایمان تم سے وہ لوگ جو کسی معاہدہ کے تحت اپنے معاملات تمہارے اختیار میں دیتے ہیں اور تم میں سے وہ لوگ جو ابھی بردباری کو نہیں پہنچے تین اوقات میں اجازت طلب کریں۔

۱) قرآن کے تحت نظم قائم ہونے سے پہلے

۲) اس وقت جب تم غلبے کے لائحہ عمل کو متعین کرتے ہو

۳) جس وقت ظلمت کے اندھیرے ہوں

یہ تین اوقات تمہارے لیے کمزوری کے ہیں البتہ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر اور نہ ہی ان پر کوئی رکاوٹ ہے کیونکہ تم ایک دوسرے سے بار بار ملنے والے لوگ ہو اس لیے اللہ تمہارے لیے اپنے احکامات بیان کرتا ہے۔ اور اللہ علیم و خبیر ہے۔

یہ حکم ان مجالس کیلئے ہے جس میں مومن اپنے لائحہ عمل کو متعین کرتے ہیں۔ ابتدائی مراحل میں جبکہ ابھی قرآن کا نظم قائم نہیں ہوا ہے بلکہ قرآن کی روشنی پھوٹنے والی ہے قرآن کی صبح طلوع ہونے والی ہے اسلئے وہ لوگ جو ملک یمین ہوں یا وہ لوگ جو ابھی عقل و دانش کی بلندیوں کو نہیں پہنچے ایسی محافل میں آنے سے اجتناب کریں۔ ایسی محافل میں صرف مخصوص لوگ اپنے اختصاص کی بنیاد پر کچھ ضابطے تیار کرتے ہیں اسلئے ان محافل میں وہ لوگ جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا وہ ایسی محافل میں شریک نہ ہوں۔

اور یہی حکم **من بعد الظھیر** یعنی کسی بھی غلبے کے وقت ہوگا کیونکہ اس میں بھی مستقبل کے لائحہ عمل پر نظر رکھنی ہوگی اور اس میں بھی نادان لوگ اور وہ لوگ جو اپنے معاملات مومنین کے حوالے کر چکے ہوں شرکت نہیں کرینگے۔ اور یہی حکم اس وقت کا ہے جب کسی وجہ سے نور الٰہی کے تحت نظم متشکل نہیں ہے بلکہ اس کے قیام کے لئے جدوجہد اور کوشش کی جارہی ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان ایام کو نازک اور

کمزور کہا گیا ہے کہ ایسے اوقات میں اگر لائحہ عمل افشاء ہو جائے تو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے العشاء کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ڈھپے ہونے کے ہیں۔

ایک بات ضرور ذہن میں رہنی چاہیئے کہ قرآن میں جہاں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا حکم شدومد کے ساتھ آیا ہے، وہاں اس کی تفصیل اس سے زیادہ شدومد کے ساتھ بیان ہونی چاہیئے تھی۔

ان آیات میں بھی کسی قسم کی ماہیت، اوقات یا نماز کے کسی رکن کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔ اگر فجر اور عشاء کو صبح اور رات کا وقت مان بھی لیں تو بعد الظہیر ہ سے اس نماز کے وقت کی نفی ہوتی ہے جسے ظہر کی نماز کہا جاتا ہے لیکن اگر صلوٰۃ کو وحی الٰہی کے تحت سمجھا جائے تو ان احکامات کے متعلق نہ صرف جامع آیات بھی ملتی ہیں بلکہ اس سے زیادہ شدومد کے ساتھ ان کی تفصیل پائی جاتی ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ''صلوٰۃ'' نماز نہیں بلکہ وحی الٰہی کے احکامات ہیں جن کو سمجھنا اور پھر اس پر عمل کرتے ہوئے ایک معاشرہ قائم کرنا ''اقامت صلوٰۃ'' کی اصطلاح سے بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ النور کی آیت نمبر 37 میں ارشاد ربانی ہے.....

''رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ص يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُo''

''وہ ثابت قدم لوگ کہ جن کو تجارت و کاروبار اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے اور نہ ہی صلوٰۃ کی اقامت (یعنی وحی الٰہی کا قیام) اور ایتاء زکوٰۃ (یعنی ایک خوشحال معاشرہ کی تشکیل) سے غفلت میں مبتلا کرتا ہے اور وہ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس دن آنکھیں اور دل اُبل پڑیں گے۔''

یہ کیفیت اللہ کے خاص بندوں کی بیان کی گئی ہے۔ اسمیں کہیں نماز کی ماہیت اور

اوقات کا ذکر نہیں ہے۔ ضمنی طور پر عرض کردوں کہ اس آیت میں لفظ ''رجال'' آیا ہے جو مرد اور عورت کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس لئے کہ دین پر عمل پیرا لوگ صرف مرد نہیں ہوتے بلکہ عورتیں بھی ہوتی ہیں۔

سورۃ النور کی آیت نمبر 55 میں اہل ایمان سے اللہ کا وعدہ بیان ہوا ہے کہ اہل ایمان اور اصلاحی عمل کرنے والوں کو زمین میں ضرور خلافت ملے گی اور خوف کے بعد امن ملے گا یہ لوگ میری بندگی اختیار کریں گے۔ میرے احکامات میں کوئی دوسرا اشتراک نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے بعد بھی اگر کسی نے کفر کیا تو ایسے ہی لوگ تو فاسق ہیں۔ اس کے بعد آیت نمبر 56 میں اسی تسلسل سے حکم وارد ہوا ہے کہ.....

''واقیمو الصلوٰۃ واتوا لزکوٰۃ واطیعواالرسول لعلکم ترحمون''

''صلوٰۃ کو قائم کرو ایتاء زکوٰۃ کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ''

نہ تو اس آیت میں نماز سے متعلق کوئی ماہیت کا ذکر ہے اور نہ ہی اوقات کا۔ اس آیت میں بڑے صاف الفاظ میں اللہ کی رحمت کی شرط بیان ہوئی ہے۔ کہ صلوٰۃ کو قائم کرو اور زکوٰۃ کا فریضہ انجام دو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ اللہ کی رحمت کے حقدار بنو۔ ظاہر ہے اللہ کی رحمت کے حقدار وہی لوگ ہونگے جو اس رحمت کو حاصل کرنے کیلئے احکامات الٰہی کے نفاذ اور معاشرہ کی خوشحالی کے لیے نہ صرف بھاگ دوڑ کریں گے بلکہ انفاق بھی کریں گے اور رسول جو حکم دے اس کی اطاعت بھی کریں گے۔

سورۃ النمل

سورۃ النمل میں لفظ صلوٰۃ صرف ایک مرتبہ آیت نمبر3 میں وارد ہوا ہے۔ سورۃ نمل کا موضوع مومنین کے ان اعمال سے متعلق ہے جو صلوٰۃ کے قیام سے متعلق ہیں اس لیے اس سورۃ میں شروع ہی سے مومنین کی صفات کا بیان ہے جو کہ صلوٰۃ کے قیام سے مشروط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

اَلَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَo

''مومن تو وہ ہیں جو صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں ایتاء زکوٰۃ کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

اس موضوع کو قرآن مختلف آیات میں زیر بحث لاتا ہے اور ہر جگہ آپ کو حکم ہی ملے گا لیکن کوئی ایسی آیت نہیں ملے گی جس سے نماز کی ماہیت یا اوقات کا اشارہ مل جائے۔ اگر آپ اس سورۃ کو مکمل دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ صلوٰۃ کیا ہے مختصراً عرض کردوں کہ سورۃ النمل میں صلوٰۃ کا قیام کس طرح سیدنا موسیٰ، سلیمان، صالح اور لوط کے زمانے میں متشکل ہوا بیان ہوا ہے۔

بتایا گیا ہے کہ سیدنا موسیٰ نے کیا جدوجہد کی اور واپس آکر اپنی قوم کو کس طرح جبر و استبداد سے آزادی دلائی سیدنا سلیمان نے اس آزادی کو کس طرح قائم رکھا اور مشرکین کی کس طرح سرکوبی کی۔ سیدنا صالح کی قوم اندر سے کس طرح دو گروہوں میں بٹ گئی۔ اور مومنین کو کس طرح فتح یابی نصیب ہوئی اور سیدنا لوط کی قوم کی سرکوبی کے لیے باہر سے دوسری مومن قوم نے مدد کی اس کا ذکر سورۃ نمل میں ملے

گا۔ پوری سورۃ میں نماز نہیں ملے گی ہاں انبیاء کی جدوجہد استحصالی گروہ اور اس کے نظام کے خلاف جدوجہد ضرور ملے گی۔ اور ایک عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کی تشکیل کی داستان ضرور ملے گی۔

سورۃ لقمان

سورۃ لقمان میں لفظ الصلوٰۃ دو مرتبہ وارد ہوا ہے۔ آیت نمبر4 اور آیت نمبر17 میں۔ آیت نمبر4 میں محسنین کی صفات کا بیان ہے جس طرح سورۃ النمل میں مومنین کی صفات کا بیان ہے اسی طرح اس آیت میں محسنین کی صفات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"اَلَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ"

"یہ وہ لوگ ہیں جو صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں ایتاء زکوٰۃ کرتے ہیں اور آخرت پر یہی لوگ یقین رکھتے ہیں۔"

اور یہی تعلیم آیت نمبر17 میں لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت میں نظر آتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے.....

"یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَانۡہَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ"

"اے بیٹے الصلوٰۃ قائم کرو معروف کا حکم کرو منکر سے رکو اور نتیجتاً جو تجھ کو پہنچے اس پر صبر اختیار کرو یقیناً یہ احکامات کی عزمت سے ہے"

جیسا کہ عرض کیا کہ سورۃ لقمان محسنین کی صفات کو بیان کرتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو احکامات الٰہی کو قائم کرتے ہیں معاشرہ کی خوشحالی کے ذمہ دار ہوتے ہیں آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ..... "یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی ہدایت پر قائم ہیں اور یہی لوگ فلاح یاب ہیں۔"

اس کے برعکس دوسرے لوگوں کے متعلق آیت نمبر6 میں فرمایا کہ لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بے مقصد باتوں کی تجارت کرتے رہتے ہیں تاکہ اللہ کے راستے سے بغیر کسی علم کے لوگوں کو گمراہ کریں۔ اور نہ صرف یہ کہ گمراہ کریں بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔

غور کیجئے کہ ہم نے ''صلوٰۃ'' کے ساتھ کیا مذاق کیا ہوا ہے۔ ہم نے ''صلوٰۃ'' کے نام پر کس چیز کی تجارت کی ہے جس کے ذریعے پیسہ کمایا جا رہا ہے۔ وہ کون سی چیز ہے جس کے ذریعے لوگوں کی خون پسینے کی کمائی کسی ایسے شخص کی جیب میں چلی جاتی ہے جو دن بھر کچھ نہیں کرتا، اور جس کے ذریعے اللہ کے احکامات سے دور رکھا جاتا ہے۔

سورۃ الاحزاب

سورۃ الاحزاب میں صلوٰۃ کا لفظ صرف ایک مرتبہ وارد ہوا ہے۔ آیت نمبر 33 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ"

"رسالتماب کو ہدایت کہ اپنی ازواج کو حکم دو کہ وہ بیوت کے معاملے میں پروقار رہیں اور پہلے والے لاعلمی کے طریقوں کو نہ اختیار کریں اور صلوٰۃ کو قائم کریں اور ایتاء زکوٰۃ کریں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں"

دیکھئے یہ بڑی عجیب سی بات لگے گی اگر کہ اس "اقامت صلوٰۃ" کو نماز کا حکم مانا جائے یہ بات ناممکنات میں سے ہے کہ قرآن کا حکم نماز کو پڑھنے کے لیے ہو اور رسول کی ازواج ہی نماز نہ پڑھیں۔ پھر تو تمام امت کے لیے ایک چھوٹ مل جائے گی۔ البتہ اگر یہ احکامات ہمہ وقت اور ہمہ جہت احکامات الٰہی کے نفاذ میں لگے رہنے کے لیے ہوں تو ہر انسان سے تھوڑا بہت تساہل ممکن ہے یقیناً بعض اوقات دوسروں سے معاملات کرتے ہوئے سہواً غلطی کا امکان ہوتا ہے لیکن رسول کی ازواج ہی اگر عبادت سے تساہل برتیں تو یہ بات ناممکنات میں سے ہے۔ ویسے بھی اس آیت میں نماز کی ماہیت اور اوقات کا بیان نہیں ہے۔

سورۃ فاطر

سورۃ فاطر میں صلوٰۃ کا لفظ دو مرتبہ وارد ہوا ہے آیت نمبر 18 اور 29 میں۔
آیات 15 تا 18 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"یٰۤاَیُّهَاالنَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُo اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍo وَمَا ذَالِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍo وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَاُخْرٰی وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْئٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُالَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوْ االصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ o

"اے لوگوں تم اللہ کے محتاج ہو جبکہ وہ غنی حاکم ہے اگر وہ چاہے تو تم کو ہٹا دے اور تمہاری جگہ نئے لوگوں کو لے آئے اور یہ چیز اللہ پر کوئی مشکل نہیں ہے اور کوئی بھی شخص دوسرے کی ذمہ داری نہیں اٹھاتا اور اگر کوئی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے والی اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی اور کو بلائے تو کوئی اس کے بوجھ کو نہ اٹھائے خواہ اس کا قریبی کیوں نہ ہو تم تو صرف اسی کو پیش آگاہ کر سکتے ہو جو اپنے رب سے مستقبل کے لئے ڈرتا ہو اور صلوٰۃ کو قائم کرے اور جس نے تزکیہ کیا تو اس نے خود اپنے نفس کے لئے تزکیہ کیا۔ اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے۔"

دیکھ لیجئے ان آیات میں انسان جو کچھ کر رہا ہے اس سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اے انسان تو کس خیال میں پڑا ہے اگر تو سمجھتا ہے کہ کچھ اچھے کام کرنے سے اللہ کی کوئی ضرورت پوری ہوتی ہے تو تو غلط اندازے لگا رہا ہے وہ ہستی تیرے ہر کام

سے مستغنیٰ ہے اسے تیری یا تیرے کسی کام کی ضرورت نہیں ہاں البتہ اگر ضرورت ہے تو خود تجھے کیونکہ تو مجبور اور محتاج ہے۔ یہاں پر ایک لمحہ کے لیے رکئے اور سوچئے کہ کیا اللہ کو ہماری کسی بھی عبادت کی ضرورت ہے جواب آئے گا ''نہیں''۔

آیئے دوسرا سوال کرتے ہیں کیا اللہ کو ہماری عبدیت یعنی اس کے احکامات پر چلنے کی ضرورت ہے تو بھی جواب آئے گا ''نہیں''۔

یعنی نہ تو ہماری عبادت سے اللہ کی کوئی ضرورت پوری ہو رہی ہے اور نہ ہی اسکے احکامات پر چل کر کسی قسم کی حاجت پوری ہوگی پھر دونوں میں سے کون سی چیز ہے جس کے لیے اللہ اس شدومد سے حکم دے رہا ہے کہ ''صلوٰۃ کی اقامت کرو'' یہ صلوٰۃ یقیناً اللہ کے وہ احکامات ہیں جو ہماری خوشحالی کے لیے دیئے گئے ہیں اور قرآن میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ ورنہ انبیاء کی جدوجہد ان کے کارنامے اور اپنی قوم کے لیے جو جو خدمات کی ہیں وہ سب بے معنی ہو کر رہ جائیں۔ قرآن میں جو اخلاقیات بیان ہوئی ہیں وہ کس لیے؟ قرآن میں جو احکامات آئے ہیں وہ کس لیے؟ اللہ کو اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی مخلوق کے لئے خوشحالی درکار ہے۔ اور یہی امتحان ہے، یہی آزمائش ہے۔

سورۃ فاطر آیت نمبر 29 میں ایک اور انداز سے یہی بات دھرائی گئی ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ o''

''یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور صلوٰۃ قائم کرتے اور اس رزق سے جو ہم نے ان کو عطا کیا ہے انفاق کرتے ہیں خواہ چھپ کر یا اعلانیہ تو یہ لوگ ایسی تجارت کے خواہشمند ہیں جو برباد نہیں ہوتی۔''

دیکھئے اس آیت میں کچھ خاص لوگوں کے متعلق بیان ہے کہ.....

۱) یہ لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں

۲) یہ لوگ صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں

۳) اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو دوسروں کے لیے کھلا رکھتے ہیں

اول تو جان لیجئے کہ اللہ کی کتاب کی تلاوت ایسے نہیں ہوا کرتی جیسے ہمارے مذہبی مدرسوں اور گھروں میں ہوا کرتی ہے یعنی ہل ہل کر بے سوچے سمجھے طوطے کی طرح رٹا لگا کر منہ سے خاص انداز سے الفاظوں کو نکالنے یا گا گا کر سناتے رہنا جس کو سننے والا بھی نہ سمجھ سکے کہ کیا سن رہا ہے۔ تلاوت کے معنی ہیں اس کو سن کر اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا۔

یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی کتاب کو سمجھتے ہیں اور اس کے اوپر عمل پیرا ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں ظاہر ہے وہی لوگ کسی نظم کو متشکل کر سکتے ہیں جو اس کو سمجھتے بھی ہوں اور اگر ایسے لوگ اپنے رزق کو دوسروں کے لیے کھلا رکھیں تو یہ وہ لوگ ہیں جو ایک ایسی تجارت کر رہے ہیں جس میں کسی خسارہ کا امکان نہیں کیونکہ جس قسم کا معاشرہ قائم ہوگا وہ مزکی ہوگا یعنی خوشحال، اللہ کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا اس لیے کہ ''زکوٰۃ'' کے معنی ہیں مالا مال ہونا خوشحال ہونا نعمتوں کی فراوانی ہونا۔

اس لیے ایسے معاشرہ میں اگر خوشحالی ہے اللہ کی نعمتوں کی فراوانی ہے امن و سکون ہے تو خود ان کے لیے اور ان کے اپنے لوگوں کے لیے ہے۔

سورۃ شوریٰ

سورۃ شوریٰ میں صلوٰۃ کا لفظ صرف ایک مرتبہ آیت نمبر38 میں اللہ پر توکل کرنے والوں کے حوالے سے آیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے.....

"وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوْ الصَّلوٰةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo"

"اور وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے رب کو پکارا اور صلوٰۃ کو قائم کیا اور جن کے معاملات آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں اور ہم نے جو رزق عطا کیا اسکو دوسروں کے لیے کھلا رکھتے ہیں"

دیکھ لیجئے اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کی وحی پر توکل کرتے ہیں ایسے لوگ اپنے رب کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں اور ربوبیت رب کے لیے کوشاں رہتے ہیں یہ لوگ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملات آپس کے مشورہ سے طے کرتے ہیں اور جو کچھ بھی اللہ کی نعمتیں ان کو حاصل ہیں وہ دوسروں کے لیے کھلی رکھتے ہیں۔

دیکھا آپ نے کہ جن کے دل میں اللہ کی ربوبیت سے تھوڑا سا بھی لگاؤ ہو وہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے اس کی مخلوق کی خدمت کریں گے۔ دنیا سے ظلم وستم مٹائیں گے لوگوں کو حقوق دینے کی جدوجہد کریں گے وہ احکامات الٰہی کو قائم کریں گے تاکہ اللہ کی مخلوق کو ان کے حقوق ملیں ان کو فرعونی استحصال سے نجات ملے ان کے اذھان کو عقائد و رسومات کی جکڑ بندیوں سے آزادی ملے ایسے لوگ اپنے

معاملات کو آپس میں مشورہ کرنے کے بعد حل کریں گے۔ اور اللہ کی مخلوق کے لیے جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو وہ کھلا رکھیں گے۔

سورۃ المجادلہ

سورۃ المجادلہ میں صلوٰۃ کا لفظ صرف ایک مرتبہ آیت نمبر 13 میں آیا ہے۔ لیکن ما قبل آیت میں اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ تم لوگ رسول سے نجویٰ کرتے ہو تو نجویٰ سے پہلے صدقہ کیا کرو۔ یہ بات تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ ہے۔ ان آیات کے حوالے سے جو تاثر دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب کبھی اغنیا چاہتے تو وہ رسالتماب سے مل لیا کرتے تھے جسکی وجہ سے غرباء کو موقع نہ ملتا کہ وہ اپنی مشکلات کو پیش کر سکتے اس لئے کہا گیا کہ "فقدموا بین یدی نجوکم صدقة" جب کوئی بات آہستہ کرنا چاہو تو پہلے صدقہ کیا کرو لیکن نتیجتاً پھر بھی غرباء کو موقع نہ ملا اور اغنیاء بھی صدقہ دینے سے گھبرانے لگے اور صرف ایک شخص کے صدقہ دینے کے بعد ہی آیت منسوخ ہوگئی اور اسکے بعد زیر مطالعہ آیت اتری.....

"ءَ اَشْفَقْتُمْ اَن تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِ ذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ o"

"کیا تم اس سے ڈر گئے کہ تم اپنی غرض سے پہلے کچھ صدقہ دو پھر جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے تم کو معاف کیا تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے"

(یہ مفہوم کچھ کمی بیشی کے ساتھ ہر ترجمے میں ملتا ہے)

عجیب سی بات لگتی ہے کہ جب آیت اتری تو صرف ایک شخص ہی صدقہ دے پایا

تھا کہ آیت منسوخ بھی ہوگئی۔ اور کہا گیا کہ اچھا اگر ایسا نہیں کر رہے ہو تو چلو کوئی بات نہیں تم نماز ہی قائم کر لیا کرو اور زکوۃ ہی دے لیا کرو۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح ہم اللہ اور اس کے رسول کی کون سی خدمت کر رہے ہیں آیات کو بے معنی اور بے ہنگم مفہوم پہنا کر اسلام اور اس کے دینے والے کے متعلق کیا تاثر دینا چاہتے ہیں؟

سورۃ مجادلہ کا اگر سطحی مطالعہ بھی کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سورۃ بنیادی طور پر سازشی ٹولے کے خلاف تادیبی کاروائی تھی ان کو اپنی خفیہ محافل میں سازشیں کرنے سے روکا گیا تھا اور ایسی محافل میں آنے سے روکا گیا تھا جہاں رسالتماب اپنے رفقاء سے آئندہ کے لائحہ عمل کے متعلق گفتگو فرماتے تھے۔ اور کہا گیا کہ ایسی محافل میں صرف وہی لوگ آسکتے ہیں جو صدقہ کریں۔

یہاں مناسب ہوگا کہ صدقہ کے متعلق کچھ گفتگو ہو جائے صدقہ کے بنیادی حروف ''ص د ق'' ہیں جسکے معنی ہیں سچ کرنا سچ دکھانا سچائی وغیرہ۔ وہ لوگ جو مملکت کے سچے خیر خواہ ہوتے ہیں ان سے مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام سرانجام دیں جس سے انکی مملکت سے سچی خیر خواہی ثابت ہو۔ اس خیر خواہی کو ثابت کرنے کے لئے انہیں یا تو کوئی فرض سرانجام دے کر سچا ثابت کرنا ہوگا یا کچھ مال و زر کے ذریعے انفاق کرکے۔

لیکن وہ حضرات جو یہ دونوں کام نہ کرسکتے ہوں ان سے کہا گیا کہ اگر تم نہ کر سکو تو فی الحال اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا فریضہ انجام دو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔

یعنی ایسے لوگ جو حکومت کی ان مجالس میں جہاں آئندہ کے لائحہ عمل متعین ہوتے ہیں اور جن کو خفیہ رکھا جاتا ہے نہ تو کسی کام کی انجام دہی کے قابل ہیں اور

نہ ہی انفاق کرسکتے ہیں تو پھر وہ ان محافل میں نہ آئیں بلکہ صرف اس نظام کے قیام کی عمومی جدوجہد میں ہی لگے رہیں۔ یہاں پر نماز سے متعلق نہ تو کوئی وقت کا ذکر ہے اور نہ ہی ماہیت کا۔

سورۃ المزمل

مولانا عبیداللہ سندھی کی کتاب قرآنی دستور انقلاب سے ماخوذ

مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں۔

''ہمارے مفسرین حضرات جب قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کرنے بیٹھتے ہیں تو عموماً قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کو بعض خاص واقعات و اشخاص سے وابستہ کرکے تشریح کر ڈالتے ہیں اور اسے شان نزول کا بیان کہتے ہیں۔

یہ نکتہ بہت اہم ہے اس لئے کہ تعلیمات قرآنی کو کسی خاص واقعہ یا شخص سے منسوب کرنے کی وجہ سے اس کا تعلق عموم سے ختم ہو جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ان آیات کو ہر زمانے پر رکھ کر دیکھا جائے۔ اور ہر شخص اپنی ذہنیت کا جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ وہ کہاں تک اس سرمایہ پرستانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔''

اس ضمنی بات کے بعد آیئے اب سورۃ مزمل کو دیکھتے ہیں۔

''یا ایھا المزمل'' (اے مزمل) لفظ مزمل کی کئی تشریحات کی گئی ہیں بعض نے اس کے معنی کئے ہیں کپڑوں میں لپٹا ہوا جو بطور استعارہ ہے اور اس میں کنایہ اس طرف ہے کہ وہ شخص کام کرنے میں کوتاہی اور سستی سے کام لیتا ہے۔ اور یہ گویا اسے تعریض کے طور پر کہا گیا ہے۔ لیکن اُس شخص کے متعلق جو اپنے فکر و عمل کے ساتھ انسانیت عامہ کو ترقی دینے خلق اللہ کی خدمت کرنے اور ان کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے لئے اتنا بے تاب تھا کہ قرآن حکیم کو کہنا پڑا .....

''لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ''

جو تیرے پیش کردہ لائحہ حیات کو نہیں مانتے تو کیا ان کی خاطر اپنی جان ہلکان کر دے گا۔ اور جس کا یہ حال تھا کہ اللہ کی مخلوق کو راہِ ہدایت دکھانے کا بوجھ اٹھائے اس کی کمر دہری ہوئی جاتی تھی اس کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اپنے کام میں سست اور کاہل تھا.....

سوءظن ہے ساقی کوثر کی جناب میں

پس لفظ مزمل کے وہ معنی لئے جانے چاہئے جو اس سورۃ کے مقصد اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کے مناسب ہوں۔

"المزمل" مادہ "ز م ل" سے مشتق ہے جس کے معنی ہوتے ہیں اونٹ پر ساتھ بیٹھنے والا ساتھی۔ المزمل کے معنی ہیں ایسے ساتھیوں کو اکٹھا کرنے والا۔ جو اونٹ پر ساتھ بیٹھیں یعنی ہم سفر۔

مولانا عبیداللہ فرماتے ہیں "پس المزمل کے معنی ہیں۔ قرآن کی انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے انقلابی عناصر کو جمع کرنے یا اس تحریک کے لئے جس قسم کے رفقاء کار کی ضرورت ہے اس قسم کے رفیق جمع کرنے والا۔"

لفظ مزمل میں مبالغہ بھی پایا جاتا ہے جس سے کثرت کے معنی ظاہر ہوتے ہیں یعنی کثرت سے "زمیل" رفقاء راہ تیار کرنے والا۔ الغرض مزمل کے معنی ہیں قرآن حکیم سمجھا کر زمیل یعنی رفقاء تیار کرنے والا۔

"قم اللیل الّا قلیلاo نصفه اوا نقص منه قلیلاo اوزد علیه"

"رات کو کچھ وقت کم کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ آدھی رات یا اس سے کم یا زیادہ"

"ورتل القرآن ترتیلا"

اور قرآن آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر سمجھ سمجھ کر پڑھا کرو

یعنی قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو کیونکہ اس طرح قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر تدبر

کرنے میں مدد ملتی ہے۔ سوچ سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکید کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف شین قاف درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے اور صرف یہی کافی ہے۔ چنانچہ کروڑوں مسلمان اس پر جمے بیٹھے ہیں۔

"ان سنلقی علیک قولاثقیلا"

ہم تم پر ایک ذمہ داری ڈالنے والے ہیں

قول ثقیل کے معنی قرآن کی تعلیم دے کر ایک ذمہ داری کے لئے تیار کرنا ہیں۔ اور یہ ذمہ داری تھی ایک ایسی مملکت قائم کرنا جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ کسی کا امن نہ لوٹا جائے، کسی کا سکون ختم نہ ہو یعنی ایک انتہائی نفیس خوشحال مثالی پر امن معاشرہ کا قیام۔ خواہ اس کے لئے شب بیداری ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

"ان ناشئۃ اللیل ھیی اشد وطاء واقوم قیلا"

رات کا اٹھنا یقیناً بات کو گرفت میں لینے اور کہنے کے لئے قوی ہے

یعنی رات کا قیام بات کو سمجھنے دل و دماغ میں بٹھانے اور بیان کرنے کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے۔

دیکھئے اس جگہ نماز نہیں ماخوذ ہوسکتی کیونکہ نماز میں سوچ سمجھ کر بات کرنے کا کوئی موقع محل نہیں ہوتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ آیات قرآنی کی تلاوت ہوتی ہے تب بھی نماز ادا کرنے کے دوران تو قیل و قال (یعنی بات چیت) نہیں ہوتی، بحث مباحثہ، تعلیم و تعلم بالکل نہیں ہوتا اور تدبر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"ان لک فی النھار سبحاً طویلاً"

یقیناً تمہارے لئے دن میں طویل جدوجہد ہے

انقلاب عمومی کے لئے صرف رات کی تعلیم کافی نہیں ہے بلکہ عوام تک پہنچ ہونی اشد ضروری ہے یعنی نزول قرآن کے مقصد کے لئے رات کی تعلیم ہی کافی نہیں ہے دن کا وقت بھاگ دوڑ اور سعی وجہد کرنے کا ہے۔

"واذکر اسم ربک" (اور اپنے رب کا نام یاد کرو) وتبتل الیہ تبتیلا (اور سب سے الگ ہو کر صرف اسی کی طرف ہوجاؤ) رب المشرق والمغرب (وہ مشرق اور مغرب کا پروردگا ہے) لا الہ الا ھو فاتخذہ وکیلا (اس کے سوا کوئی الہ نہیں صرف اسی کو کار ساز بنا)۔

ان آیات میں تعلیمات کا نچوڑ بیان کر دیا گیا ہے جیسے کہ پہلے عرض کیا "اسم" یعنی نام کسی کی پہچان ہوتے ہیں۔ کیونکہ الہ کی پہچان اس کی ماہیت سے ممکن نہیں اس لئے کائنات میں پھیلی تخلیق سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ انسانی دنیا میں اس کے قوانین سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ کائنات میں اس کے قوانین جاری و ساری ہیں جس کو کائنات خود نہیں بدل سکتی۔ انسان کے لئے جو اصول دئے ہیں اس کے مطابق اس کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ ان اصولوں پر کاربند ہو یا ان کو ٹھکرا دے اس لئے فرمایا گیا کہ تم اپنے رب کے اصولوں اور پیمانوں کی یاد دھانی لگاتار کراتے رہو۔

لیکن ہم نے ان اسماء کو تسبیح کے دانوں پر بے سوچے سمجھے دوسرے مذاہب کی نقالی کرتے ہوئے ورد کرنا شروع کردیا۔ اصلاً تو یہ اصول اور پیمانے معاشرے میں لاگو کرنے تھے جس کے ذریعے عالم انسانی میں اللہ کی حکومت قائم کرنی تھی۔ اس کے لئے اپنے آپ کو صرف الٰہی پیمانوں سے جوڑنا تھا اور تمام انسانی ملاوٹ سے پاک رہنا تھا۔ اس لئے کہ مشرق میں بھی ربوبیت کے ذمہ دار ہیں اور مغرب میں بھی پھر کون سی چیز مانع ہے کہ ہم وحی الٰہی کو اپنا کارساز نہ مانیں اس کے اصول

صرف ایک خاص قوم یا ایک خاص خطے کے لئے نہیں۔ وہ ان اقوام کا بھی رب ہے جہاں تک ہماری رسائی بھی نہیں ہوئی ہے۔

آگے آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ سرمایہ پرستوں کی ذہنیت اور ان کے رویوں پر تنقید کرنے کے بعد رسالتماب کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں..... **انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھد اعلیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً** (ہم نے تم عربوں کی طرف اسی طرح نگرانی کرنے والا رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا)۔

"فعصی فرعون الرسول فاخذنہ اخذاوبیلًا" (فرعون نے اس پیامبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اسے درد ناک عذاب میں مبتلا کر دیا)

فرعون کی ملوکیت بنی اسرائیل اور اپنی قوم سے ناجائز استحصال کر رہی تھی اس نے ان کو غلامی کی انتہائی ذلت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس سورۃ میں فرعون اور اسکی طرف ایک رسول کے بھیجے جانے کا ذکر ہے قرآن میں متعدد جگہ موسیٰ اور فرعون کی کشمکش بیان ہوئی ہے اور نتیجتاً بنی اسرائیل کی آزادی عمل میں آئی۔ اس آیت میں یہ کہنا کہ تمہاری طرف بھی ویسے ہی رسول بھیجا ہے جیسے کہ فرعون کی طرف موسیٰ کو بھیجا تھا اس بات کی نشاندھی ہے کہ اے عرب کے قبائلی سردارو تمہارا وقت بھی اب پورا ہونے کو ہے۔ تمہاری طرف ایک رسول کو اسی مقصد کے ساتھ بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف موسیٰ کو بھیجا تھا۔ آیات کا خلاصہ مولانا عبیداللہ سندھی یوں فرماتے ہیں "ہمارے اکثر مفسرین نے اپنی تفسیریں اس زمانے میں لکھیں جب قرآنی انقلاب دنیا کے اکثر حصوں پر چھا چکا تھا۔ اور قرآنی نظام کے مطابق مسلمانوں کی زندگی کی تنظیم ہو چکی تھی۔ اس لئے یہ مفسرین انقلاب کی وہ کیفیت سمجھنے سے معذور رہے جو صدر اسلام میں پیش آئی تھیں۔ اور جس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ کے ساتھیوں نے واقعتاً زندگی بسر کی۔ اس لئے یہ مفسرین اکثر واقعات کو جو انقلاب کے زمانے میں پیش آئے اور واقعی جو قیامت کبریٰ کا نمونہ ہوتے ہیں قیامت کبریٰ ہی پر محمول کر کے خاموش ہوگئے۔ اس انقلاب کی حقیقت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کا انقلاب دیکھا ہو۔"

آیت نمبر 20 میں فرمایا.....

"ان ربک یعلم انک تقوم ادنی من ثلثی اللیل و نصفه و ثلثه وطائفة من الذین معک والله یقدر اللیل والنهار علم ان لن تحصوه فتاب علیکم فاقرء وا ما تیسر من القران"

"بے شک تیرا پرودگار جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھیوں میں سے ایک جماعت دو تہائی سے کچھ کم یا نصف شب یا ایک تہائی رات کھڑی ہوتی ہے اور اللہ رات اور دن کے پیمانے بناتا ہے، اور وہ جانتا ہے تم اس کو نبھانہ پاؤ گے۔ اس لئے وہ تم پر رجوع با رحمت ہوا۔ پس اب قرآن سے جو میسر ہے وہ پڑھو۔"

پڑھنے سے قرآن میں کہیں بھی بے سمجھے بوجھے پڑھنا مراد نہیں ہے پڑھنے سے مراد سمجھنا، اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔

"علم ان سیکون منکم مرضی" (وہ جانتا ہے کہ تم میں یقیناً بعض بیمار بھی ہونگے) "واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل الله" (اور دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے اللہ کے فضل کی تلاش میں)۔

"وآخرون یقاتلون فی سبیل الله" (اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے) فاقروا ماتیسر منه (اس لئے اتنا پڑھو جتنا آسان ہو)

"واقیموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة" (اور صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ کا فریضہ انجام دو) "واقرضوا الله قرضاً حسناً" (اور اللہ کو قرض حسن دو)

"وما تقدمو الا نفسکم من خیر تجدو ه عندالله" (اور تم جو کچھ بھی اپنے

لوگوں کیلئے خیر سے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ گے۔) "ھو خیرا واعظم اجرا" (وہ اجر کے لحاظ سے بہت اچھا اور عظیم ہے۔) "واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم" (اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو۔ یقیناً اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم والا ہے۔)

دیکھئے سورۃ مزمل شروع ہوئی رسالت ماب کو المزمل کا لقب دے کر کہا گیا کہ اب اٹھ کھڑے ہو کہ وہ گھڑی آ گئی ہے کہ تم کو ایک انتہائی اہم کام کی ذمہ داری دی جانے والی ہے اس کے لئے دن میں جدوجہد اور رات کو قرآن سے لائحہ عمل متعین کرو۔

درمیان کی آیات میں اس تبدیلی کا ذکر آیا اور اس کے بعد فرمایا گیا کہ جو آسانی سے ہو سکے قرآن کی تعلیم اور تعمیل کا انتظام کرو۔ اس میں غیر ضروری مشقت کی ضرورت نہیں صرف اتنی ہی محنت کرو جتنی لوگوں پر بھاری نہ ہو۔ اور یہ بھی لحاظ رکھو کہ لوگوں کو کچھ مجبوریاں بھی لاحق ہوں گی یعنی وہ مریض بھی ہوسکتے ہیں اور اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر پر بھی جا سکتے ہیں۔ یا اللہ کی راہ میں جنگ پر بھی جائیں گے۔ سوتم احکامات الٰہی کو قائم کرو اور ایک انتہائی مزکی معاشرہ کی تشکیل میں لگ جاؤ جس کے لئے اللہ کو قرض حسن دو۔ اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کے نتائج کچھ عرصے بعد خود دیکھ لو گے۔

یعنی سورۃ المزمل عرب قبائل پر فرعونی استحصال کو ختم کر کے ایک منصفانہ معاشرہ کی تشکیل کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے اس کو نماز پر چسپاں کرنا انتہائی زیادتی ہے۔

سورۃ المدثر

مولانا عبیداللہ سندھی کی کتاب قرآنی دستور انقلاب سے ماخوذ

یاایھاالمدثر اے مدثر لغوی طور پر ''د ث ر'' کے معنی ہلاک کرنا بیان کئے گئے ہیں۔ مدثر کے معنی ہیں دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم و جور مٹانے والا۔

قم فاانذر (اٹھ کھڑے ہو اور پیش آگاہ کرو۔)

دیکھئے یہاں نہ تو کسی سوتے ہوئے انسان کو جگانے کے لئے قم کہا جا رہا ہے اور نہ ہی کسی کمبل میں لپٹے ہوئے انسان کے لئے کہا گیا ہے بلکہ معاشرہ کی تبدیلی کی جدوجہد کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کو کہا جارہا ہے۔ یہ اُس مرحلے کی آمد کی پیش آگاہی ہے جبکہ ایک عملی قدم اٹھایا جانا مقصود ہے۔ رات کو جاگنا اور دن کی جدوجہد کے بعد اب لوگوں کو اس تبدیلی کی آمد سے آگاہ کرنے کا وقت آگیا ہے انسانیت جن مظالم کی وجہ سے تباہی سے دو چار ہے اب ان مظالم اور ظالم سے نپٹنے کا وقت آگیا ہے۔

وربک فکبر (اور پنے رب کی کبریائی قائم کرو)۔یہ زبانی کلامی ''اللہ اکبر'' کا ورد یا وظیفہ نہیں بلکہ ایک عملی لائحہ عمل کی دعوت ہے جس کے نتیجے میں حقیقتاً رب کا نظام یعنی ربوبیت الٰہی کا قیام عمل میں آئے گا یعنی احکامات الٰہی اور وحی الٰہی کے مطابق قوانین بنائے جائیں گے جس کا مقصد صرف اور صرف انسانیت کی بہبود ہوگی اور ہر انسان کو اس کا حق اس کے مانگنے سے پہلے مل جائے گا۔

وثیابک فطھر (اور اپنا لباس پاک رکھو)۔عموماً یہی ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ثیاب

لفظ ثوب کی جمع ہے اور مادہ ''ث۔ و۔ ب'' جس سے لفظ ثواب بھی ہے اس مادہ کے معنی لوٹنے کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ عربی لوگ اپنے چوغے کو ''ثوب'' کہتے ہیں اس لئے لباس کا مفہوم لیا گیا۔ دیکھئے اگر تو ثیاب کے معنی اس آیت میں لباس کے لئے جائیں تو یہ مفہوم نا قابل قبول ہے کہ رسالت ماب کے کپڑے گندے ہوتے تھے اس لئے حکم ہوا کہ ان کو دھولیا کرو لیکن اگر ثواب سے مراد وہ نتائج جو رسالتماب کی جدوجہد سے سامنے آنے والے ہیں لئے جائیں تو مفہوم ہو گا کہ اعمال ایسے کرو جس کے نتائج مطہر ہوں یعنی اپنی نظر وفکر کو مطہر رکھو۔ اس میں کہیں شرک کی آمیزش نہ ہو۔

والرجز فاھجر (اور گندگی سے دور رہ)۔ اس گندگی سے مراد جسمانی گندگی لی گئی ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا کہ ان دونوں سورتوں یعنی المزمل اور المدثر میں ایک انقلاب کے مراحل بیان ہوئے ہیں۔ اس میں ایک لیڈر کو لائحہ عمل دیا جارہا ہے سورۃ مزمل میں اس انقلاب کے لائحہ عمل کو بتایا گیا کہ کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے تاکہ نظام صلوٰۃ قائم ہو۔ سورۃ المدثر میں وہ احکامات آرہے ہیں جن کے ذریعہ معاشرہ کو برائی سے روکنا مقصود ہے ''**والرجز فاھجر**'' (اور گندگی سے دور رہ) کا مطلب یہ نہیں کہ رسالتماب کے کپڑے گندے تھے وہ ایک کمبل میں لپٹے پڑے رہتے تھے۔

دیکھئے ثوب کے معنی ہوتے ہیں اپنی اصل حالت کی طرف لوٹنا یا کسی کام کی اصلی غرض کی طرف واپس آنا۔ علامہ رشید نعمانی نے لغات القران میں لکھا ہے آیت شریفہ ''**وثیابک فطھر**'' میں بعض نے ثیاب سے اس کے حقیقی معنی کپڑے مراد لئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ثیاب نفس سے کنایہ ہے یعنی اپنے نفس کو پاک رکھ۔ یہ نفس وہی نفس ہے جس کی قسم باری تعالیٰ نے کھا کر کہا ''**قد افلح من زکھا وقد**

خاب من دسھا" کامیاب وہ شخص ہے جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور ناکام وہ ہوا جس نے اس نفس کو دبا دیا۔ اسی نفس کو اس سورۃ میں ثوب سے تعبیر کیا گیا۔

اور اسی نفس کے لئے کہا گیا کہ اس نفس کو تمام آلائش سے پاک صاف رکھو۔ اس کا تزکیہ کرتے رہو۔ رجز کے بنیادی معنی ہیں ایسی پلیدگی جس سے گھن آئے۔ ایک سلیم الفطرت شخص ہر برائی کو رجز سمجھتا ہے اسے یہ سوچ کر ہی گھن آتی ہے کہ اس سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے اور اگر رسول کی بات ہو رہی ہو تو اس کے متعلق یہ سوچنا کہ وہ گندہ رہتا تھا ایک انتہائی قبیح سوچ ہے رسول تو ہمارے لئے اُسوۂ ہے اس لئے اس ہستی کا نہ صرف فکر وعمل بلکہ ظاہری ہیت بھی انتہائی نفیس اور لطیف ہوتی ہے۔ آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"ولاتمنن تستکثر" اور کثرت سے طابع کرنے کی تمنا میں احسان نہ کر یعنی اگر کسی پر احسان کیا ہے تو یہ بھی تمنا نہ کر کہ وہ تیری اطاعت کریگا۔ احسان ہر حاجت مند کی ضرورت ہے خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ "نیکی کر دریا میں ڈال" کبھی نیکی کرنے کے بدلے کوئی تمنا دل میں آجائے تو نیکی نیکی نہیں رہتی۔ یہ بات تو ہمارے والدین ہمیں بچپن میں بتاتے تھے۔ رسول کے لئے تو اس سے بھی بڑھ کر بات کہی گئی کہ نیکی کرنے کے بعد یہ خیال بھی دل میں نہ آئے کہ وہ جس پر احسان کیا گیا ہے اطاعت کرے۔

مجھے بار بار افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے مفسرین نے رسالتماب پر اتنا کیچڑ اچھالا ہے کہ پڑھنے والے کو شرم آتی ہے۔ یہاں پر بھی مفسرین نے کثرت کو دولت پر محمول کیا ہے کہ لوگوں سے رقم بٹورنے کے چکر میں احسان نہ کر۔ الامان الحفیظ کتنے شرم کی بات ہے۔ ہم خود اپنے رسول کی کیا تصویر پیش کرتے ہیں۔

دیکھئے سورہ الانعام کی آیت نمبر 128 میں جنات سے کہا جارہا ہے "یا معاشر

الجن قد استکثر تم من الانس" (اے جنوں کے گروہ تم نے انسانوں میں سے بہت سے لوگوں کو طابع کرلیا تھا۔)

اگر سورۃ الانعام میں استکثار کے معنی طابع بنانا ہے تو سورۃ المدثر کی اس آیت "ولا تمنن تستکثر" میں ہم احسان کے بدلے میں مال و دولت کی بات کیوں سوچتے ہیں۔ یہاں پر بھی اس کا معنی یہی ہو گا کہ احسان کرنے کے بعد یہ خواہش بھی نہ رکھ کہ وہ اطاعت کرے۔

"ولربک فاصبر" (اور اپنے رب کے لئے استقامت اختیار کئے رکھ) دیکھئے اس آیت میں اپنے رب کے لئے "استقامت" اختیار کرنے کو کہا گیا ہے یعنی جب تم رب کی بات کرتے ہو تو وہ لوگ جن کے مفادات کو رب کے نظام سے نقصان پہنچتا ہے مقابلے پر اتر آتے ہیں اس لئے تم کو ایسے وقت میں استقامت سے کام لینا ہو گا۔ اور اس کوشش میں لگے رہو کہ تمہارے رب کا نظام قائم ہو۔

اب تک کی آیات میں جو ہمیں حاصل ہوا وہ یہ کہ.....

۱) اپنے رب کی کبریائی حقیقت میں قائم کرو نہ کہ زبانی کلامی

۲) ہر قسم کی طہارت یعنی نظریات و خیالات اور کردار میں دین خالص کا تصور ہو اس لئے اخلاق و عمال میں اس کا مظاہرہ ہونا چاہئے اس کو ہر غلط چیز سے پاک رکھنا ہے۔

۳) احسان کی روش میں بھی "نیکی کر دریا میں ڈال" کا تصور ہونا چاہئیے حتی کہ اطاعت کروانے کی تمنا بھی نہ ہو۔

۴) اس کوشش میں جو بھی مشکلات آئیں ان کا ثابت قدمی سے مقابلہ کرو

اس کے بعد کی آیات اس انقلاب کی تصویر کشی کرتی ہیں جو کہ مقصود رب ہے۔ جس کو عبیداللہ سندھی نے قیامت کبریٰ سے پہلے قیامت صغریٰ کے الفاظ سے تعبیر کیا

ہے۔ کیونکہ انقلاب اس کتابچے کا موضوع نہیں اس لئے ہم ان آیات کے متعلق عبیداللہ سندھی کے اپنے الفاظ سامنے رکھ دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

''مفسرین کرام ان آیات کو آخرت پر محمول کرکے خاموش ہوگئے ہیں قیامت کبریٰ سے پہلے دنیا میں قیامت صغریٰ آئے گی اور وہ یوم انقلاب ہوگا۔''

یعنی ان کی نظر میں سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر میں ان آیات کا بیان جس میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے اسی دنیا میں تبدیلی کا بیان ہے۔

آیئے اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔ ان آیات کے بعد سورۃ مدثر میں ان اہل ایمان کا بیان ہے جو جنت میں مقیم ہوں گے۔

"**فی جنت یتساء لون من المجرمین ما سلککم فی سقر**" (وہ باغات میں مجرموں سے پوچھتے ہیں کہ تم کو کس چیز نے اس عذاب میں ڈالا) تو مجرم لوگ کہتے ہیں۔ "**قالوا لم نک مصلین**" (وہ کہتے ہیں ہم مصلی نہیں تھے)

یعنی مجرموں کا صرف ایک ہی قصور تھا کہ وہ مصلی نہیں تھے۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ فرعون کیا صرف اس لئے مارا گیا کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تھا یا یہ کہ اس کا قصور تھا کہ اس نے انسانیت کو اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ عرب کے قریش قبائل کا بھی کیا یہی قصور تھا کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے یا یہ کہ انہوں نے ایک فرعونی نظام قائم کیا ہوا تھا۔ سیدنا مسیح نے سلطنت روما کے خلاف جو علم بغاوت بلند کیا تو کیا وہ اس لئے تھا کے سلاطین روما نماز نہیں پڑھتے تھے یا یہ کہ انہوں نے یہودی مذہبی پیشوائیت سے ملی بھگت کرکے یہودیوں کو قابو کیا ہوا تھا۔

قرآن اگلی آیات میں مصلی نہ ہونے کو واضح کر رہا ہے۔ **ولم نک نطعم المسکین** (ہم کسی مسکین کے طعام کا بندوبست نہیں کرتے تھے۔)

"**وکنا نخوض مع الخائضین**" (ہم فضول بحث کرنے والوں کے ساتھ بحث

کرتے تھے)۔"وکنا نکذب بیوم الدین" (اور ہم دین الٰہی کے ایام کو جھٹلاتے تھے۔) "حتٰی اتنا الیقین" (یہاں تک کہ یقینی بات آ گئی)۔ "فما تنفعھم شفاعۃ الشفعین" (ایسے لوگوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دیتی)

ظاہر ہے اللہ کے نزدیک تو کوئی شفاعت نہیں چلے گی البتہ دنیاوی زندگی میں حاکم وقت کو معلومات فراہم کرنے والے لوگ ہی عوام کے متعلق معلومات فراہم کریں گے۔ لیکن اس تبدیلی کے وقت اس طرح کے شخص کے لئے کسی بھی شخص کی شفاعت نہیں چلے گی اس لئے کہ اس کے کرتوت اتنے کالے ہوں گے کہ وہ سیدھا مجرموں کے قید خانے میں ڈالے جانے کے لائق ہی ہوگا۔ اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

"فمالھم عن التذکرۃ معرضین" (پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ اس الٰہی یاددھانی سے روگردانی کرتے ہیں)۔ آگے کی آیات میں ان کفار کی کیفیت بیان کی گئی کہ وہ قرآن سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے شیر سے ڈر کر گدھا بھاگتا ہے اور چاہتے ہیں کہ ہر ایک کو الگ الگ صحیفہ ملے اور نتیجتاً بتایا کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ آخری نتائج سے نہیں ڈرتے۔

"انہ تذکرۃo فمن شاء ذکرہ وما یذکرون الّا ان یشا اللہ" (یقیناً یہ ایک یاد دھانی ہے تو جو کوئی چاہے نصیحت حاصل کرے مگر اس سے نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں۔ جو اللہ کی مشیت کے مطابق ہیں۔ "ھو اھل التقوی واھل المغفرۃ" (یہی تو اہل تقویٰ اور اہل مغفرت ہیں)

دیکھ لیجئے پوری سورۃ میں مصلین کسے کہا گیا ہے؟ اس انقلاب آفریں سورۃ کو جس میں پوری جدوجہد کی تلخیص پیش کی گئی ہے۔ جس میں نظریاتی حوالے سے تعلیم کی بات کی گئی جس میں مصلی نہ ہونے کی وجہ بتائی گئی کہ یہ لوگ مساکین کے طعام

کا انتظام نہیں کرتے اور ایک تبدیلی لانے کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے یہ ایک اصلاحی، فلاحی، مثالی معاشرہ کے قیام کی جدوجہد نہیں کرتے۔ اسے نماز نہ پڑھنے والوں پر چسپاں کرنا قرآن کے مقصد کے ساتھ انتہائی ظلم ہے۔

نماز انسان کا ذاتی عمل ہے جو وہ خود اپنی تسلی وتشفی کے لئے کرتا ہے۔ جو اسے تواتر سے ملا ہے۔ اس عمل کو قرآن کی صلوٰۃ پر چسپاں کرنا انتہائی غیر موزوں ہے۔ کیونکہ اگر نماز کو صلوٰۃ کا نعم البدل رکھا جائے تو وہ مقصد جو صلوٰۃ کے ذریعے حاصل ہونا تھا یعنی انسانوں کے درمیان ظلم و زیادتی ختم کر کے امن و سکون کو قائم کرنا حاصل نہیں ہو گا۔ اور یہ دنیا اسی طرح وحشت و بربریت کا شکار رہے گی۔

سورۃ البینہ

سورۃالبینہ کی آیت نمبر 5 میں ایک مرتبہ صلوٰۃ کا لفظ وارد ہوا ہے اس سورۃ کا مضمون اور عمود اسی آیت میں موجود ہے اس آیت سے ماقبل اہل کتاب میں سے انکاری لوگوں اور مشرکین کا ذکر کر کے ارشاد ہوا کہ.....''باوجود اس بات کے کہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے بیّنات آئیں اور اللہ کی طرف سے ایستادہ رسول ان مطہر صحیفوں کی تعلیم بھی دیتا ہے جو محکم قوانین سے متعلق ہیں لیکن ان لوگوں نے جیسے ہی ان کے پاس یہ احکامات آئے اختلاف شروع کردیا۔ حالانکہ.....

''وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ o''

''یہ لوگ تو صرف یہی حکم دے گئے تھے کہ بندگی صرف اللہ ہی کی اختیار کرنی ہے یکسوئی کے ساتھ مخلصین له الدین دین کو ہر آمیزش سے پاک رکھتے ہوئے اور ''ویقیموا الصلوٰۃ ویوتوا الزکوٰۃ'' یہ کہ قائم کریں صلوٰۃ کو اور ایتاء زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیں۔ وذلک دین القیم اور یہی القیم کا دین ہے''

جیسا کہ حصہ اول میں عرض کیا اگر صلوٰۃ نماز ہے اور زکوٰۃ 2-1/2% جمع شدہ مال کا دینا تو قرآن اس کی وضاحت سے خالی کیوں ہے؟ یقیناً نہ اقامت صلوٰۃ نماز ہے اور نہ ہی ایتاء زکوٰۃ مال کو پاک کرنے کے لئے جمع شدہ مال کا 2-1/2% فیصد دینا۔

عبدیت نام ہے اللہ کے احکامات پر پوری توجہات کے ساتھ روبہ عمل ہونے کا۔

یقیناً ''لیعبد اللہ'' اللہ کی بندگی صرف اس وقت ہو سکتی ہے جب انسان تمام تر توجہات اللہ کے احکامات پر لگا کر ان کی پابندی اور اطاعت میں لگ جائے۔ یہ پرستش نہیں ہے۔ یہ انسان کے ہر ہر عمل پر محیط وحی الٰہی کی فوقیت ہے۔ کسی لمحہ بھی انسان کا کوئی عمل وحی الٰہی کے خلاف یا باہر نہ ہو۔ یہ نہیں کہ پرستش کا ایک طریقہ اختیار کیا اور اسکے بعد دنیا جہاں کی بد اعمالیاں کرتے پھرے۔

اور یہ بندگی مخلصین بنتے ہوئے یعنی خالص بغیر کسی انسانی خیال کی آمیزش کے کرنا ہے نہ اسمیں کسی انسان کا فتویٰ چلے گا اور نہ کسی انسان کا اجتہاد ''لہ الدین حنفآء'' اس کے لئے ضابطۂ حیات کو یکسوئی کے ساتھ روبہ عمل لانا ہوگا ''و یقیموا الصلوٰۃ و یو توا الزکوٰۃ'' اور یہ کہ احکامات الٰہی کو قائم کریں اور تزکیہ انسانی کا فریضہ انجام دیں۔ ''وذلک دین القیم'' اور یہ القیم کا دین ہے۔ یہ القیم کا ضابطہ حیات ہے۔

دیکھ لیجئے جیسے کہ پہلے عرض کیا دین قیم خالص احکامات الٰہی پر مبنی ایسا ضابطہ حیات ہے جس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبدیت کا نام دیا ہے۔ جس کو عبادت کا مفہوم پہنایا گیا پھر صلوٰۃ کو نماز اور زکوٰۃ کو ناپاک مال سے 2-1/2% فیصد دینے کا مفہوم دیا گیا تاکہ بقیہ مال پاک ہو جائے اب جس کا جو مال ہاتھ لگے ہڑپ کر جائے صرف 2-1/2% اللہ کی مخلوق پر خرچ کردے باقی اللہ سب جائز کر دیتا ہے جس کا قرآن کی کسی آیت سے جواز نہیں ملتا۔

زکوٰۃ کے موضوع پر مختصر سا اشارہ اس کتاب کے آخر میں زکوٰۃ کے عنوان کے تحت بھی کردیا گیا ہے تاکہ اس کے بعد قرآنی اصطلاح ''اقامت صلوٰۃ وایتاء زکوٰۃ'' کو سمجھنے میں مزید آسانی ہو سکے۔

لفظ ''صلوٰۃ'' بطور مرکب اضافی

صلوٰۃ کا مضمون تو بحر حال تکمیل کو پہنچ گیا لیکن مجھے خود تشنگی محسوس ہوگی اگر میں وہ آیات جہاں لفظ صلوٰۃ بطور مرکب اضافی وارد ہوا ہے زیر مطالعہ نہ لاؤں اس لئے پہلے ذیل میں وہ مقامات درج کئے دیتا ہوں جہاں اضافت کے ساتھ لفظ صلوٰۃ وارد ہوا ہے۔ اور اس کے بعد ان کا مطالعہ کریں گے۔

واحد مذکر حاضر۔ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر103، سورۃ ھود کی آیت نمبر87 اور بنی اسرائیل کی آیت نمبر110

واحد مذکر غائب۔ سورۃ نور کی آیت نمبر41

جمع مذکر غائب۔ سورۃ الانعام آیت نمبر91، سورۃ الانفال آیت نمبر35، سورۃ المومنوں آیت نمبر9 - 2

واحد مذکر متکلم۔ سورۃ الانعام آیت نمبر163

واحد مذکر حاضر

صلوتک..... تیری ''صلوٰۃ'' سورۃ توبہ کی آیت نمبر103 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ'' عَلِيْمٌ o''

''ان کے مالوں سے صدقہ لو تاکہ تم ان لوگوں کی تطہیر کرو اور اس کے ذریعے ان

کا تزکیہ کرو اور ان کی تائید کرو یقیناً تمہاری تائید ان کے لئے سکون کا باعث ہے۔ اور اللہ باعلم سننے والا ہے۔''

اس آیت میں دور دور تک نماز کی بات نہیں ہے۔''ص ل و'' سے فعل امر ''صلِّ'' کا لفظ ہے۔ جس کے معنی کسی کی پشت پناہی تائید یعنی کسی کے عمل کی تعریف کرنا ہے یہاں کسی نماز کی بات نہیں ہو رہی۔

باقی دو مقامات سورۃ ھود کی آیت نمبر87 اور بنی اسرائیل کی آیت نمبر110 میں پہلے ہی زیر مطالعہ آ چکے ہیں۔

واحد مذکر غائب۔

صلوته..... ''اس کی صلوٰۃ''۔ سورۃ نور کی آیت نمبر41 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ‌ؕ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَ تَسۡبِيۡحَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ‌۝''

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لئے جو کوئی بھی آسمان و زمین میں ہے تسبیح کرتا ہے اور پرند بھی صف در صف تسبیح کرتے ہیں ہر کوئی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح جانتا ہے اور اللہ علم رکھتا ہے اس کا جو وہ کرتے ہیں۔''

یہ آیت غور کرنے والی ہے اس پر تھوڑا سا دھیان دیجئے تو آپ کو تسبیح اور صلوٰۃ کے معنی و مفہوم خود واضح ہو جائیں گے۔ دیکھئے اس آیت میں چند باتیں دو ٹوک انداز میں سامنے آتی ہیں۔

ا) ایک تو انسان سے کہا گیا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا۔۔۔۔۔۔جس کا مطلب ہے کہ جو کچھ بھی بات کی جا رہی ہے وہ انسان کے مشاہدہ میں ہر وقت رہتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ چرند پرند کی تسبیح یا صلوٰۃ ایسی ہے جس کا ہم مشاہدہ نہیں کر رہے یا

کر سکتے ہیں۔ ورنہ یہ کہنا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا بے معنی ہو جاتا ہے۔

۲) دوسری بات جو کچھ بھی کائنات میں ہے وہ سب اللہ کے لئے مصروف عمل ہے اس کیلئے جدوجہد میں مشغول ہے۔ ''والطیر صفت'' اور پرند صف در صف میں ایک بات بڑی واضح ہے کہ جن پرندوں کا ذکر کیا گیا وہ صف در صف ہوتے ہیں اور '' من فی السموت والارض'' سے علیحدہ بیان کئے گئے۔ اس لئے انکی خاص صفت کی طرف اشارہ ہے اور اسی وجہ سے الگ بیان کیا گیا ہے۔

۳) ہر مخلوق کو اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کا علم ہے یعنی ہر مخلوق کو اپنے نصب العین کا معلوم ہے جو اس نے اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے اور وہ اپنے نصب العین کے لئے جو جدوجہد کر رہا ہے وہ اسے معلوم ہے اور خاص طور پر وہ شاہین جو صف در صف ہوتے ہیں۔

۴) اور یہ ایسی تسبیح اور صلوٰۃ ہے جس کا اللہ کو علم بھی ہے۔

غور کیجئے تو بات صاف معلوم ہو جائے گی کہ تسبیح بمعنی جدوجہد ہے اور صلوٰۃ بمعنی وہ نصب العین جس کے لئے جدوجہد کی جائے۔ یہاں نماز کا دور دور تک ذکر نہیں ہے۔

جمع مذکر غائب۔

۱) **صلا تھم**..... الانعام آیت نمبر92 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''وَھٰذَا کِتَابٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَھَا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَۃِ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ o''

''اور یہ کتاب ہم نے نازل کی مبارک ہے اور مصدق ہے اس کی جو اس کے آگے ہے تاکہ تم پیش آگاہ کرو ام القری اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو اور جو

اہل ایمان ہیں۔ آخرت میں یہی تو وہ لوگ ہیں جو مومن ہیں اس کتاب کے اور یہی لوگ اپنی صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں۔''

غور کیجئے کہ اس آیت سے کسی طرح بھی نماز ماخوذ نہیں کی جاسکتی ہے یہاں بنیادی طور پر ''الکتاب'' یعنی وحی الٰہی کے احکامات سے متعلق بات ہو رہی ہے پہلے الکتاب کو مبارک اور مصدق بتایا اور پھر اس وقت کے ام القری اور اس کے اردگرد کے سرداروں کو ان کے ظلم کے خلاف پیش آگاہ کرنے کو اس قرآن کا مقصد بیان کرنے کے بعد واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اہل ایمان کا رویہ یہ ہے کہ نہ صرف وہ لوگ اس قرآن کے ساتھ مومن ہیں بلکہ آخرت کے بھی مومن ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں اور یقیناً جو قرآن یعنی وحی الٰہی کو مقصود بنائیں وہ اس کو اگلے قدم پر نافذ کریں گے نہ کہ نماز پڑھنے لگیں گے۔ قرآن نے جو کچھ کہا ہے کہ یہ کرو یہ نہ کرو اس پر عمل پیرا ہوں گے کسی کتاب کو سمجھنے کے بعد اس کی عملی شکل اختیار کی جاتی ہے ورنہ اس کی تعلیمات بے کار ہیں۔

۲) **صلا تھم**.....سورۃ الانفال آیت نمبر35

یہاں رسالتماب کی قوم کی صلوٰۃ یعنی ان کی روش کا ذکر ہے کہ انہوں نے بے ہنگم آوازوں اور صدائے بازگشت کو پرستش بنالیا ہے۔ اس کے بعد ان کو عذاب کی وعید سنائی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاءً وَّ تَصْدِيَةً ط فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ o''

''اور نہیں ہے ان کی صلوٰۃ البیت کے نزدیک سوائے ایک چیخ پکار سیٹی کی آواز اور صدائے بازگشت پس چکھو عذاب کو بوجہ تمہارے کفر کرنے کے۔''

کفار کس بات کا انکار کرتے تھے؟ یقیناً وہ احکامات الٰہی کا انکار کرتے تھے ان سے جب عدل و انصاف کا تقاضہ کیا جاتا تھا، ان سے جب حقوق کی بحالی کا مطالبہ ہوتا تھا تو وہ صاف انکار کرتے تھے اور ان کے نزدیک صرف پرستش ہی مقصود بن گیا تھا۔ وہ پرستش کے ذریعے خالق کو خوش کرنا چاہتے تھے۔ جس کے لئے انہوں نے ''مکاء و تصدیہ'' بے ہنگم آوازیں اور صدائے بازگشت ایجاد کی ہوئی تھی۔

اس کے برعکس قرآن مومن سے جگہ جگہ تقاضہ کرتا ہے کہ عدل قائم کرو، انصاف سے کام لو مساکین اور یتیموں کے حقوق ادا کرو ایک اصلاحی فلاحی معاشرہ قائم کرو یہی وہ صلوٰۃ ہے جو قرآن کے ہر صفحہ پر نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس ہمیں قرآن میں نماز کے کوئی خدوخال نظر نہیں آتے لیکن ہم نے بھی قرآن کی صلوٰۃ کو مکاء و تصدیہ کی طرح نماز میں بدل دیا ہے۔ اس آیت میں کفار کی صلوٰۃ کا ذکر ہے مومن کی صلوٰۃ کا ذکر نہیں ہے۔

۳) صلا تھم..... المومنون آیت نمبر2 اور 9

آیت نمبر2 میں لفظ صلا تھم آیا ہے جس میں صلوٰۃ کا لفظ واحد اور ھم کی ضمیر جمع مذکر غائب کی ہے جب کہ آیت نمبر9 میں صلوٰۃ کی جمع صلوٰت کے ساتھ ضمیر جمع مذکر غائب کی ہے۔

آیات نمبر1 سے لیکر 11 تک مومنوں کی تعریف اور توصیف بیان ہوئی ہے۔ آیت نمبر2 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے..... ''اَلَّذِیۡنَ ھُمۡ فِی صَلَاتِھِمۡ خٰشِعُوۡنَ'' یہی مومن لوگ اپنی صلوٰۃ کے معاملے میں خشیت اختیار کرتے ہیں'' اور آیت نمبر9 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِھِمۡ یُحَافِظُوۡنَ''

''اور یہی مومن لوگ اپنی صلوات پر حفاظت کرتے ہیں۔''

آیت نمبر2 میں مومن لوگوں کا رویہ بتایا گیا کہ وہ صلوٰۃ کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں اور آیت نمبر9 میں بتایا گیا کہ یہ لوگ اپنی صلواتوں (صلوات) پر محافظ ہیں۔ پہلی آیت میں مومن کی خود اپنی صلوٰۃ کا ذکر ہے جس میں وہ احتیاط سے کام لیتا ہے اور آیت نمبر9 میں ''علی صلواتھم'' یعنی بطور معاشرہ صلواتوں پر، یعنی ایک دوسرے کی صلوات پر محافظ ہوتے ہیں اور وہ اس بات پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ اس کا مومن بھائی بھی صحیح لائحہ عمل اپنائے رکھے۔

۴) **صلا تھم**.....سورۃ المعارج آیت نمبر23 اور 34

اس میں بھی سورۃ المومنوں والا انداز ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ صلوٰۃ کی جمع نہیں آئی ہے بلکہ صرف ''صلاتھم'' کا مرکب ہی دونوں آیات میں آیا ہے۔

آیت نمبر23 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَائِمُوْنَ''

''یہ لوگ اپنی صلوٰۃ پر ہمیشہ رہتے ہیں۔''

اور آیت نمبر34 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ''

''یہ لوگ اپنی صلوٰۃ پر محافظ ہوتے ہیں''

آیات نمبر23 سے 35 تک مصلین کی صفات بیان کی گئی ہیں جس کے حوالے سے ان دو آیات کو مصلین کے عنوان کے تحت تفصیل سے لیں گے تاکہ نہ صرف صلوٰۃ بلکہ صلوٰۃ کو قائم کرنے والے مصلین کی تصویر بھی ذہنوں میں واضح ہو جائے۔

واحد مذکر متکلم

صلا تی..... سورۃ الانعام کی آیت نمبر162

رسول اللہ سے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم اعلان کرو کہ میری صلوٰۃ میرا نسک میرا جینا میرا مرنا صرف اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔ ملاحظہ فرمایئے آیت نمبر162.....

''قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo''

''کہو یقیناً میری صلوٰۃ اور میرا طریق اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے''

یہاں صلوٰۃ بمعنی نماز لے لیا جائے تو نسک کیا ہے؟ کیونکہ نسک کے معنی بھی پرستش کا طریق ہوتا ہے۔ اگر ماقبل آیت پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ اس آیت میں چار شرائط ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''قُل اننی ھدنی ربی الی صراط مستقیم o دینا ً قیماً ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکینo''

''کہو میرے رب نے مجھے یقیناً ایک صحیح راستے کی ہدایت دی ہے جو دین قیم ہے جو خالص ابراہیم کا دین ہے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے''

اس کے بعد زیر مطالعہ آیت نازل ہوئی ہے جو رسالتماب کے طریق کا بیان ہے اور جس میں اللہ نے رسالتماب سے ان کے دین کے متعلق اعلان کروایا۔ یعنی صلوٰۃ دین قیم ہے۔ نسک وہ طریقے جن کے ذریعے یہ دین قیم متشکل ہوگا۔

ص ل و سے بنے افعال

مادہ ''ص ل و'' سے منصرف افعال زیرِ مطالعہ لانے کی ضرورت صرف اس لئے ہے کہ اس مادہ سے بنے تمام قرآنی الفاظ زیرِ بحث آجائیں اور جن آیات میں وہ وارد ہوئے ہیں وہ بھی سامنے آجائیں۔ اور ایک محقق کے لئے آسانی ہو جائے۔ اس مادہ سے بنے افعال حسبِ ذیل ہیں۔

صَلّٰی، یُصَلِّیْ، یُصَلُّوْنَ، یُصَلُّوْا،
صَلِّ، صَلُّوْا، تُصَلِّ

جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا۔''ص ل و'' کے مادہ سے بننے والے الفاظ میں خواہ وہ اسماء ہوں یا افعال۔۔۔۔۔ پیچھے پیچھے چلنے کا مفہوم ضرور پنہاں ہوگا۔ مثلاً اگر وحی الٰہی کے پیچھے چلا جائے جیسے کہ اس کتاب میں ثابت کیا گیا تو وہ وحی الٰہی کی اتباع ہوگی۔ اگر کسی لیڈر کے پیچھے چلا جائے تو وہ اس کے نقشِ قدم پر چلنا ہوگا۔ اس لئے یہ ذہن نشین ہونا چاہیے کہ اب ہم ایک مخصوص اصطلاح ''صلوٰۃ'' کو زیرِ بحث نہیں لا رہے بلکہ ''ص ل و'' سے بننے والے الفاظ کو زیرِ بحث لا رہے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح اردو میں اگر کوئی کتاب کسی فوجی پر لکھی جائے تو جہاں جہاں گولی کا لفظ آئے گا وہ اس کی اسلحے کی گولی مراد ہوگی لیکن اس کتاب میں اگر یہ جملہ بھی ہو کہ اس فوجی نے گھر آکر اپنے بچے کو گولی کھلائی تو یقیناً یہ اسلحہ کی گولی نہیں بلکہ کوئی اور گولی ہوگی۔ لیکن بنیادی طور پر ''گولائی'' کا تصور ہر لفظ میں پنہا ہو گا۔ اسی طرح

لفظ آپریشن کا مطلب ہوتا ہے کسی عمل کا کرنا جس میں کسی طرح کی کاٹ چھانٹ ہو۔ جس طرح ڈاکٹر کے آپریشن کا مطلب ہے جسم انسانی کی کاٹ چھانٹ کرنا، پولیس آپریشن کا مطلب ہے کسی مجرم کے معاملے میں چھان بین کرنا، ایک مکینک کے آپریشن کا مطلب ہے کسی مشین پر کام کرنا وغیرہ وغیرہ۔

کیونکہ اب ہم ایک اصطلاح یعنی ''صلوٰۃ'' پر بحث نہیں کر رہے بلکہ ''ص ل و'' سے بننے والے افعال پر غور کریں گے اس لئے ''ص ل و'' کے بنیادی معنی یعنی پیچھے چلنے کا مفہوم تو ضرور ہر فعل میں موجود ہوگا لیکن ضروری نہیں کہ اس فعل میں وحی الٰہی کے پیچھے چلنے کا مفہوم ہو۔ آیئے سب سے پہلے لفظ ''صَلّٰی'' کو لیتے ہیں۔

صَلّٰی

صَلّٰی کا فعل واحد مذکر غائب ماضی ہے اور تین مقامات پر وارد ہوا ہے سورۃ القیامہ میں آیت نمبر31، سورۃ الاعلیٰ آیت نمبر15 اور سورۃ العلق آیت نمبر10 میں۔ آیئے پہلے ان تمام مقامات کو ایک ساتھ دیکھ لیتے ہیں۔ اور پھر ان پر غور کرتے ہیں۔

پہلا مقام ہے سورۃ القیامہ جس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے.....

''فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی''

''نہ تو اس نے سچ کر دکھایا اور نہ ہی پیروی کی بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر کر چلا گیا''

اس سورۃ میں ایک شخص کا بیان ہے کہ اس کا وحی الٰہی کے متعلق کس طرح کا رویہ ہے۔ کہ اس نے وحی الٰہی کی تصدیق نہیں کی بلکہ اس کے برعکس اس نے جھٹلایا اور بجائے اس کے کہ وہ وحی الٰہی کی پیروی کرتا اس نے منہ پھیرا اور واپس چلا گیا۔ اس جگہ تو ''صلی'' کے معنی نماز پڑھنا ہرگز نہیں لئے جاسکتے اس لئے کہ دو متضاد الفاظ

لاکر اللہ پاک نے ''صلیٰ'' کے معنی خود متعین کر دیئے لفظ صدق کا متضاد کذب آیا کہ اس نے تصدیق نہیں کی بلکہ جھٹلایا۔ پورا قرآن اس بات پر گواہ ہے کہ کذّب کے معنی عام جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اللہ کی وحی کو جھٹلانا ہے۔ اس لئے ایسے شخص نے نہ تو وحی الٰہی کی تصدیق کی بلکہ جھٹلایا اور ''ولاصلّٰی'' اس نے پیروی نہیں کی بلکہ صلّٰی کا متضاد تولّٰی اور منہ پھیر کر چلا گیا یا لوٹ گیا یا واپس مڑ گیا کا جملہ لاکر بتا دیا کہ صلی کے معنی ہیں پیچھے پیچھے چلنا۔ اس جگہ بھی اس فعل میں مفہوم وحی الٰہی کے پیچھے چلنے کا ہی ہے اور نماز کا دور دور تک شائبہ بھی نہیں۔

دوسرا مقام ہے سورۃ الاعلیٰ کی آیت نمبر 15 جہاں پر ارشاد باری تعالیٰ ہے......

''وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰى '' اور اس نے اپنے رب کے اسم کو یاد رکھا اور پیروی کی۔

دیکھئے اس آیت میں بھی اسم کو یاد رکھ کر اس کی پیروی کی بات ہے جس طرح پہلے بھی یہ بات زیر غور آچکی ہے۔ یہاں پھر مختصر طور پر ''اسم'' کی بحث آپ کے سامنے لاتے ہیں تاکہ اسم کا مفہوم پھر ذہن میں تازہ ہوجائے۔

اسم کہتے ہیں کسی کی پہچان کو اور اسی لئے کسی جگہ، چیز یا وجود کو پہچاننے کے لئے اس کا نام رکھتے ہیں بنیادی طور پر اسم کے مادہ میں اس کی پہچان مراد ہوتی ہے اگر کسی انسان کا نام لیا جاتا ہے تو اس سے متعلق اس کے خدوخال اور عادات و اطوار سب سامنے آجاتے ہیں اور ہم جان لیتے ہیں کہ یہ صاحب جن کا نام یہ ہے کس حلیے کے ہیں اور ان کی چال ڈھال یعنی عادات و اطوار کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مثلاً جب محمد علی جناح بولا جاتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ وہ صاحب ہیں جو دبلے پتلے لمبے قد کے سوٹ بوٹ میں ملبوس منہ میں سگار لئے ہوئے نظر آتے ہیں جن کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان سے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ خطہ لیا۔ ان کے اس کارنامے پر ان کی قوم نے انہیں قائداعظم کا خطاب بھی دیا۔ اور اب

اگر محمد علی جناح نہ بھی کہا جائے اور صرف قائداعظم ہی کہا جائے تو مراد وہی شخصیت ہوگی جن کا نام محمد علی جناح ہے۔

اسی طرح جب ہم خالق کائنات کو اس کے نام سے پکارتے ہیں تو اللہ کہتے ہیں لیکن ایک انسان کے برعکس خالق کائنات ہماری بصیرت سے بہت دور ہے اس نے خود اپنے لئے فرمایا ''لا یدرکہ الابصار'' اس کا نہ تو کوئی بصیرت اور نہ ہی کوئی بصارت ادراک کرسکتی ہے اس لئے اس ہستی کا ایک تصور بنانا کہ وہ تخلیقی لحاظ سے ایسی ہوگی بالکل غلط ہے۔ ہم اگر اللہ کو پہچان سکتے ہیں تو اس کے کلام کے ذریعے جو وحی الٰہی کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اس وحی الٰہی میں جو اس کے احکامات ہیں وہی اس کے اسمآء ہیں وہی اس کی صفات ہیں وہی ہمارے لئے اس کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو ''رب'' کہا کہ وہ تمام جہانوں کا مربی ہے اس کی ربوبیت ہر سو پھیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہر ذی حیات کو اس کی ضرورت مل رہی ہے اور اس کی ربوبیت میں رحمت ہی رحمت ہے اس لئے خالق کے طور پر اگر اللہ کہا جائے (یا الگ الگ لوگ اپنی زبان میں جو بھی خالق کا نام رکھیں) یا اس کی صفت ربوبیت کے حوالے سے رب کہیں یا ربوبیت کی کیفیت یعنی رحمت کے حوالے سے رحمٰن کہیں بات وہی ہے جس کو قرآن نے کہا.....

''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى''

''خواہ تم اللہ کی دعوت دو یا الرحمٰن کی دعوت دو کسی بھی نام سے دعوت دو بات ایک ہی ہے''

آیئے واپس سورۃ الاعلیٰ کی ان آیات کی طرف جو زیر بحث تھیں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى o وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى o''

''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے تزکیہ کیا۔ اپنے رب کے حکم کو یاد رکھا اور اس کی پیروی کی''

دیکھ لیجئے کہ فلاح یاب ہونے کے لئے انسان کو اپنا تزکیہ کرنا ہے اور تزکیے کے لئے ضروری ہے کہ وہ احکامات الٰہی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھے اور ان کی پیروی کرے۔

ان آیات میں نہ صرف "صلیٰ" کا مفہوم کھل کر سامنے آیا بلکہ ''تزکیہ'' کا بھی معلوم ہوگیا کہ انسان اپنے ذہن وشعور کا تزکیہ بھی احکامات الٰہی کے ذریعے ہی کرتا ہے۔

تیسرا مقام ہے سورۃ العلق کی آیت نمبر10 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے.....

''اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی o عَبْداً اِذَا صَلّٰی o اَرَءَ یْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰی o اَوْاَمَرَ بِالتَّقْوٰی o''

''کیا تم نے غور کیا اس شخص کی حالت پر جس نے ایک ایسے بندے کو روکا جو احکامات الٰہی کی پیروی میں لگا تھا اور کیا تم نے دیکھا کہ خواہ وہ بندہ ہدایت پر ہی تھا اور تقوی کا حکم کرتا تھا''

دیکھ لیجئے کہ ان آیات میں دو اشخاص کا تقابل ہے ایک وہ ہے جو احکامات الٰہی پر چل رہا ہے جس کو اللہ نے فرمایا کہ وہ ہدایت پر ہے اور تقوی کی بات کرتا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جو اس بندے کو روک رہا ہے اور جس کے متعلق اگلی آیت میں ارشاد ہوا.....

''اَرَءَ یْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی''

''تم نے دیکھا کہ اس نے جھٹلایا اور واپس لوٹ گیا''

یعنی یہاں بھی "صلی" کی ضد "تولیٰ" لاکر بتادیا کہ "صلی" کے معنی ہیں احکامات الٰہی کی پیروی کرنا اور تقویٰ کا حکم دینا جبکہ اس کے برعکس جھٹلانے والوں کا

رویہ ہوتا ہے منہ پھیر کر واپس لوٹ جانا۔

سورۃ التوبہ کی بقیہ آیات 84 اور 103 اور سورۃ احزاب کی بقیہ آیات 43 اور 56 اور سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 157 اور 156 حقیقت درود کے تحت علیحدہ مطالعہ کی جاچکی ہیں۔ سورۃ التوبہ میں افعال فعل امر کے طور پر مثبت اور منفی دونوں طرح آئیں ہیں۔ جبکہ سورۃ احزاب میں فعل یصلی (واحد مذکر غائب مضارع) اور یصلون (جمع مذکر غائب مضارع) بمع فعل امر (جمع مذکر غائب) زیر مطالعہ آئے۔ اور اس طرح پورے قرآن میں جہاں جہاں ''ص ل و'' مادہ سے جتنے افعال آئے ہیں تمام کے تمام مطالعہ کئے جاچکے ہیں۔

الزکوٰۃ

آیئے اب زکوٰۃ سے متعلق چند بنیادی حقائق آپ کی خدمت میں گوش گزار کردوں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مروجہ اسلام میں زکوٰۃ ڈھائی فیصد اضافی مال پر دینا ہوتی ہے۔

مختصراً اضافی مال کا نصاب کچھ یوں ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس.....

۱) 52 تولے چاندی سے زائد ہو

۲) یا ساڑھے سات تولے سونے سے زائد کے زیورات ہوں تو اسے زکوۃ دینی ہوگی۔

البتہ زکوٰۃ اس زیور پر لاگو نہیں جو.....

۱) زیور خواہ چاندی کا ہو یا سونے کا لیکن روز مرہ کے استعمال میں رہتا ہو کہ اس کے استعمال سے جو سونا یا چاندی گھسنے سے کم ہو جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے متبادل ہے۔

۲) وہ آلات جو زیر استعمال ہوں۔

۳) وہ ذرائع جہاں کچھ بن رہا ہے۔

۴) وہ تجارت جس کا مال گودام میں سے نکل گیا اور اس کی جگہ نیا مال آ گیا۔

(مستثنیٰ مالوں کی لسٹ لمبی ہے اس لئے اختصار سے بیان کیا ہے۔)

اس قسم کی زکوٰۃ پر چند سوالات ابھرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا نصاب جب سے لاگو ہے انتہائی تضاد کا شکار ہے۔ ملاحظہ فرمایئے.....

آج جس وقت یہ سطور لکھی جارہی ہیں سونا تقریباً 6500 روپے تولہ ہے جب کہ چاندی 95 روپے تولہ ہے۔ اب دیکھئے کہ ایک غریب عورت اپنے خون پسینے کی کمائی سے 60 تولے چاندی کے زیور جس کی قیمت آج کے مہنگے دور میں بھی چھ ہزار سے زیادہ نہیں ہے اپنی بچیوں کے لئے جمع کرتی ہے تاکہ ان کی شادی پر کچھ خرچے اور لینے دینے کے لئے کام آسکے لیکن اس کی مالکن نے صرف 7 تولے سونے کے زیور ہی بنوائے ہیں کہ اس کو اپنی امیری پر ناز ہے اور وہ چاندی کے زیور پہننا شان کے خلاف سمجھتی ہے۔

اب ایک لمحہ کو دیکھئے کہ وہ غریب عورت جو گھر گھر کام کرتی ہے یقیناً 2-1/2% زکوٰۃ دینے کے لئے مجبور ہے کیونکہ اس کے پاس 52 تولے چاندی سے زیادہ چاندی کے زیور جمع ہیں جو اس کے استعمال میں نہیں آرہے جبکہ اس کی مالکن کے پاس 7-1/2 تولے سونا نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اس نصاب سے مستثنیٰ ہے اور وہ زکوٰۃ دینے کی مجاز نہیں۔ اب ذرا غور کیجئے تو اس زکوٰۃ کے نصاب کی بے انصافی خود سامنے آئے گی۔

دیکھئے وہ غریب عورت جو 60 تولہ چاندی کے زیور اپنی بچیوں کے لئے بناکر رکھتی ہے اس کے زیور کی قیمت 95x60= 5800 روپے بنتی ہے۔ جبکہ اس کی مالکن کے 7 تولہ سونے کے زیورات کی قیمت 6500x7=45500 بنتی ہے۔

اب دیکھئے کہ ایک غریب عورت جو مجبوری کے تحت آئندہ کے لئے صرف 6000 کے چاندی کے زیور بنالیتی ہے اس کو زکوٰۃ دینی ہے جب کہ ایک خوشحال گھرانے کی عورت 7 تولے سونے کے زیورات پر جنکی قیمت 45000 بنتی ہے زکوٰۃ نہیں دیتی اسے اس زکوٰۃ سے چھوٹ ہے۔

اسی طرح ایک شخص جو اپنی Workshop میں لاکھوں کے آلات رکھتا ہے

ان آلات پر زکوٰۃ نہیں دیتا کیونکہ آلات زکوۃ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔آگے دیکھئے کہ وہ فیکٹری جہاں کروڑوں بلکہ اربوں کی مشینری لگی ہے زکوٰۃ دینے سے مستثنیٰ ہے حالانکہ وہاں لاکھوں کا مال بن رہا ہے۔

اسی طرح وہ دکان جو کسی وجہ سے چل نہیں رہی اور بے چارہ مالک اپنی سادگی کی وجہ سے گاہکوں کو متوجہ نہ کرسکا یا کسی غلط اندازے کی وجہ سے اپنی دکان نہ چلا سکا اس کو اس مال پر زکوٰۃ دینی ہے جو بے چارے کا بک نہ سکا اور سال سے زیادہ عرصہ دکان میں پڑا رہا۔ اس کے برعکس وہ شخص جو چرب زبان تھا اور اپنی چالاکی سے گاہکوں میں اپنے مال کو دھڑا دھڑ بیچتا رہا اس کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا گیا کہ اس کا مال سال بھر تک دکان میں نہیں پڑا رہا بلکہ مال آتا گیا بکتا گیا اور وہ ایک سال میں ہی اپنے مال کو کئی گناہ زیادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

یقین جانئے یہ مروجہ زکوٰۃ قرآن کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ الٰہی نصاب ہو ہی نہیں سکتا جو مجبور انسان کو اور مجبور کرے غریب سے مال وصول کرے اور جیسے جیسے امیر ہوتا جائے اس کو اس زکوٰۃ سے زیادہ سے زیادہ آزادی ملتی جائے۔

یہ سب کچھ جاننے کے باوجود سادہ لوگ کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے رسول اللہ کے زمانے میں سونے اور چاندی کا ریٹ ایک جیسا ہو اور اس وقت کے آلات کی قیمت 7 تولے سونے سے زیادہ نہ ہو اور کیونکہ اس زمانے میں مشینری اتنی زیادہ مہنگی نہ تھی تو یہ نصاب صحیح ہو۔

دیکھئے زکوٰۃ کے لئے اس طرح کے جواز نکالنے میں دو زبردست اعتراضات لاحق ہوتے ہیں.....

ا) اللہ کے متعلق آپ نے کیا گمان کیا ہے کہ اس کو آئندہ زمانے کی خبر بھی نہ تھی کہ اس نے ایسا نصاب دیا جو آئندہ کسی زمانے میں غلط ہونے والا تھا۔

۲) اگر یہ نصاب رسول اللہ کے زمانے میں صحیح تھا اور آج غلط ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ زکوٰۃ کا نصاب صرف رسول اللہ کے زمانے کے لئے تھا آج اس کو لاگو کرنا غلط ہے۔ اور اگر زکوٰۃ کا نصاب غلط ہے تو آگے اسلام کی نہ معلوم کون کونسی بات غلط نکلے گی۔ آج کی ضرورت ہے کہ اس زکوٰہ کے نصاب کو صحیح کرنے کے لئے تحقیق کریں۔ جب جب بھی کسی غلطی کا احساس ہو اس وقت کے اہل علم و ہنر بیٹھ جائیں اور دیکھیں کہ وہ کون سی تنفیذ ہے جو ماضی میں غلط سمجھی گئی یا یہ کہ آج ہمارے دور میں کامیاب نہیں ہے بشرطیکہ وہ قرآن کے مطابق ہو۔

ایک اصول جان لیجئے کہ اقدار نہیں بدلا کرتیں البتہ اقدار کی تنفیذ بدل سکتی ہے۔ ہر دور کے نئے تقاضے ہوتے ہیں۔ پرانے قوانین اپنی وقعت کھو دیتے ہیں۔ نئے قوانین کو لاگو کرنا ہوتا ہے۔

اس کے برعکس ہم نے تنفیذ کو ناقابل تبدیل قرار دیا جس کی وجہ سے ہم قرون اولیٰ کے نظام پر اڈے رہے اگر تبدیلی ہوئی ہے تو اصولوں اور اقدار میں جس کی وجہ سے نئے نئے فرقے وجود میں آ گئے۔

آیئے ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر سوچیں کہ آج ہم کو کن کن باتوں میں تبدیلی کرنی ہے کہ آج کے دور میں سر اٹھا کر چل سکیں۔

قرآن میں ''ص ل و'' کے مادے سے بننے والے الفاظ

الصلوۃ

سورۃ نمبر	سورۃ کا نام	آیت نمبر	صفحہ نمبر
-2	البقرۃ	3	118
		43	49
			114
		45	118
		83	115
		110	115
		153	119
		177	116
		238	112
		277	117
-4	النساء	43	31
			59
		77	133
		101-104	125
		142	130
		162	29
-5	المائدہ	6	69
		12	134
		55	48
		58	50
		91	135
		106	136
-6	الانعام	72	41
			139
-7	الاعراف	170	25
			46
-8	الانفال	3	141
-9	التوبہ	5	142
		11	142
		18	143
		54	145
		71	146
-10	یونس	87	82
-11	ھود	114	149
-13	الرعد	22	151
-14	ابراھیم	31	37
		37	20
			36
		40	36
-17	بنی اسرائیل	78	174
		110	32
			153
-19	مریم	31	159
		55	160
		59	45
			159

سورۃ نمبر	سورۃ کا نام	آیت نمبر	صفحہ نمبر
-20	طٰہٰ	14	39
		132	161
-21	الانبیاء	73	166
-22	الحج	35	169
		41	28
		78	167
-23	النور	37	176
		56	177
		58	172
-27	النمل	3	178
-29	العنکبوت	45	32
-30	الروم	31	37
-31	لقمان	4	180
		17	180
-33	الاحزاب	33	182
-35	فاطر	18	183
		29	184
-42	الشوریٰ	38	25
			186
-58	المجادلہ	13	188
-62	الجمعہ	9-10	52
-73	المزمل	20	196
-98	البینہ	5	19
	صلّٰی		
-75	القیمہ	31	215
-87	الاعلیٰ	15	216
-96	العلق	10	218

سورۃ نمبر	سورۃ کا نام	آیت نمبر	صفحہ نمبر
	یُصَلُّوْا		
-4	النساء	102	123
	یُصَلُّوْنَ		
-33	الاحزاب	56	87
	یُصَلِّیْ		
-3	آل عمران	39	160
-33	الاحزاب	43	85
	تُصَلِّ		
-9	التوبہ	84	89
	صَلَّ		
-9	التوبہ	103	88
			207
-108	الکوثر	2	57
	صَلُّوْا		
-33	الاحزاب	56	87
	صَلٰتُکَ		
-9	التوبہ	103	88
			207
-11	ھود	87	21
			38
-17	بنی اسرائیل	110	32
			153
	صَلَاتَہٗ		
-24	النور	41	208

سورۃ نمبر	سورۃ کا نام	آیت نمبر	صفحہ نمبر
	صَلَاتِهِمْ		
-6	الانعام	92	47
			138
			209
-8	الانفال	35	210
-23	المومنون	2	211
		9	211
-70	المعارج	23	212
		34	212
-107	الماعون	5	93
	صَلَاتِیْ		
-6	الانعام	162	212
	صَلٰوتٌ		
-2	البقرہ	157	86
		238	112
-9	التوبہ	99	147
-22	الحج	40	170
	صَلٰوتِهِمْ		
-23	المومنون	9	211
	اَلْمُصَلِّیْنَ		
-70	المعارج	22	91
-73	المدثر	43	92
-107	الماعون	4	93
	مُصَلّٰی		
-2	البقرہ	125	99

سورۃ نمبر	سورۃ کا نام	آیت نمبر	صفحہ نمبر
	صلوۃ سے متعلقہ کچھ دیگر مقامات		
	سجدہ		
-16	النحل	48	76
-22	الحج	18	78
	قبلہ		
-2	البقرہ	145-146	80
-10	یونس	87	82
	صلوۃ سے متعلق دوسرے مقامات جو اس کتاب میں ضمناً زیر مطالع آئے		
-2	البقرہ	62	15
-3	آل عمران	139	11
-5	المائدہ	56-58	48
-6	الانعام	71	41
		91-92	47
			135
-7	الاعراف	128	118
		138	39
		169-170	46
-11	ھود	112	149
-19	مریم	58	45
-50	ق	39-40	162
-62	الجمعہ	1	51
-70	المعارج	23-34	212